گُلدستہ مضامین

دعوتِ فکرِ اسلامی

شائع کردہ
شعبہ تعلیم وتربیت

دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی، ملتان روڈ چوہنگ، لاہور 53800
تنظیمِ اسلامی
فون: 78-35473375(042)

فہرست

نمبر شمار	مضامین	مصنف	صفحہ نمبر
1	دیباچہ	شعبہ تربیت	3
2	تنظیم اسلامی کا پیغام نظام خلافت کا قیام	شجاع الدین شیخ	6
3	نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفاذ کا ایک قابل عمل اور مؤثر طریقہ کار	حافظ عاکف سعید	20
4	موجودہ حالات میں اسلامی انقلاب کا آخری مرحلہ	انجینئر نوید احمدؒ	31
5	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مستقل سنت: دعوت دین	انجینئر نعمان اختر	39
6	تبلیغ کس لیے؟	مولانا امین احسن اصلاحی	47
7	آدابِ دعوت	محمد سہیل راؤ	61

دیباچہ

ایک بندۂ مؤمن کا اصل نصب العین رضائے الٰہی کا حصول اور محاسبۂ اُخروی میں کامیابی ہے۔ اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے قرآن حکیم اور سُنّت وسیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہمیں دین کے تقاضوں اور مطالبوں کی صورت میں دینی فرائض اور ان کے لوازم کا ایک مکمل خاکہ ملتا ہے۔ لیکن اُمّتِ مُسلمہ کا المیہ یہ ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ جب دینی فرایض اوران کے لوازم کا یہ مکمل جامع خاکہ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو دین اسلام کا بحرِ بیکراں ''مذہب'' کی تنگنائے کی صورت اختیار کرگیا اور اسلام محض چند عقائد، عبادات اور معاشرتی رسومات کا مجموعہ بن کر رہ گیا۔ خاص طور پر یورپی اقوام کے نوآبادیاتی تسلّط نے مسلمانوں کے قلوب واذہان کو اس طرح گرفت میں لیا کہ ان کے تصوراتِ دین محدود بھی ہوگئے اور مسخ بھی۔

برعظیم پاک وہند میں علامہ اقبال نے اپنی شاعری سے ملّت اسلامیہ کے تنِ مردہ میں ایک نئی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ علامہ اقبال نے مسلمانان ہند کو اپنے پُرتاثیر کلام کے ذریعے قرآن حکیم اور اس کی تعلیمات کی جانب متوجہ کیا۔ اس سے ان کے پیشِ نظر مسلمانوں کو قرآن کے انقلابی فکر سے روشناس کرانا اور اس طرح اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی راہ ہموار کرنا تھا۔ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نزدیک دورِ حاضر میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید میں سب سے بڑا حصہ علامہ اقبال کا ہے۔ مسلمان بحیثیت مجموعی اس اہم حقیقت کو فراموش کرچکے تھے کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں، دین ہے، جو پورے نظام اجتماعی پر اپنا غلبہ واقتدار چاہتا ہے۔ اقوامِ مغرب کی غلامی نے انہیں اس درجہ پست ہمت اور کوتاہ فکر بنادیا تھا کہ وہ اپنے ذاتی نماز روزے پر ہی قانع ہوکر رہ گئے تھے اور اسی کو کُل اسلام سمجھ بیٹھے تھے۔ اس صورت حال کا مرثیہ علامہ اقبال نے بایں الفاظ کھینچا ہے کہ ؂

مُلّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

اقبال نے بڑے زوردار انداز میں دین و مذہب کے اس محدود تصور پر ضرب لگائی اور نہایت دلنشیں پیرایہ میں دین کے اصل تصور کو اجاگر کیا ؂

یا وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ خدامست
یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات!

قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالعہ سے دینی فرائض کا جو جامع تصور ہمارے سامنے آتا ہے وہ تین نکات پر مشتمل ہے: (۱) ہم خود دین پر عمل پیرا ہوں اور اس پر کار بند ہوں۔ (۲) دین کو پھیلائیں اور دوسروں کو اس پر عمل کی دعوت دیں۔ (۳) دین کو اجتماعی سطح پر قائم کرنے کی کوشش کریں ـــــ ان تین فرائض کے لیے قرآن حکیم میں کئی اصطلاحات وارد ہوئی ہیں جن میں سے جامع ترین (۱) عبادتِ رب، (۲) شہادت علی الناس اور (۳) اقامتِ دین ہیں۔ قرآن حکیم میں دین کو قائم کرنے کی روز دار دعوت دی گئی ہے۔

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل و کرم اور انعام و احسان ہوا کہ اس درویشِ خدامست نے دورِ حاضر میں اُمّتِ مُسلمہ کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لیے ایک طرف رجوع الی القرآن کی تحریک چلائی اور دوسری طرف قرآن حکیم پر غور و تدبر کے نتیجے میں حاصل ہونے والے دینی فرائض کے لوازم اور تقاضوں کو واضح کیا، اور ساتھ ہی سنت وسیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں ان فرائض کے لوازم اور تقاضوں کو واضح کیا، اور ان دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے ایک اسلامی انقلابی جماعت ''تنظیم اسلامی'' بھی قائم کی۔

''تنظیم اسلامی'' مروّجہ مفہوم کے اعتبار سے نہ کوئی سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ، بلکہ ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت ہے، جو اوّلاً پاکستان اور بالآخر ساری دنیا میں ''دینِ حق'' یعنی اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر نظام بندگی کو قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ رفقاء تنظیم اسلامی پر الحمد للہ دین کا جامع تصور بھی واضح ہوا ہے اور انہیں اپنے دینی فرائض کا شعور بھی حاصل ہوا ہے، اور وہ انہی دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے تنظیم میں شامل ہوئے ہیں۔ تنظیم اسلامی اسی حقیقی اسلامی فکر کو عام کر رہی ہے کہ ہمارا دین نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تک محدود نہیں ہے، بلکہ زندگی کے ہر گوشے کا نہ صرف احاطہ کرتا ہے بلکہ تفصیلی راہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ ایک مسلمان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ اپنی پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور فرماں برداری میں دین اسلام کی تعلیمات اور اصولوں کے مطابق بسر کرے۔

اس حقیقی اسلامی فکر کو عام کرنے کے لیے ’’تنظیم اسلامی‘‘ نے 2019ء میں تین ماہ پر محیط ایک ملک گیر مہم ’’دعوتِ فکرِ اسلامی‘‘ کے عنوان سے اپنے محدود وسائل میں رہتے ہوئے مکمل کی۔ اس دوران ماہنامہ میثاق اور ہفت روزہ ندائے خلافت میں دعوتی حوالے سے مضامین شائع ہوتے رہے۔ ان میں سے چند نمائندہ مضامین افادہ عام اور دعوتی رہنمائی کے لیے ایک کتابچے کی صورت میں حاضرِ خدمت ہیں۔ امید ہے کہ دعوت دین کا کام کرنے والے رفقاء و احباب اسے اپنے لیے مفید پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری کوششوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین!

شعبہ تعلیم وتربیت

سبق پھر پڑھ...

تنظیمِ اسلامی کا پیغام
نظامِ خلافت کا قیام

شجاع الدین شیخ

خطباتِ خلافت کے سلسلے میں آج ہماری گفتگو کا عنوان ہے: ’’تنظیم اسلامی کا پیغام: نظامِ خلافت کا قیام‘‘ ----نظامِ خلافت کے قیام کی ذمہ داری ہم مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے‘ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ فریضہ اکیلے اکیلے ادا نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے اجتماعیت اختیار کرنا ضروری ہے۔ اسی کی دعوت تنظیم اسلامی بھی آپ کے سامنے رکھتی ہے۔ تنظیم اسلامی کے لٹریچر میں آپ کو ایک چھوٹا سا سلوگن ملے گا: ’’تنظیم اسلامی کا پیغام: نظامِ خلافت کا قیام‘‘۔ اسی سلوگن کو آج کی نشست کا عنوان بنا کر میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ آپ کو تنظیم اسلامی کے حوالے سے چند باتیں بتائی جائیں۔

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۷۵ء میں اس کی بنیاد رکھی۔ کن مقاصد اور کس طریقۂ کار کو سامنے رکھتے ہوئے اور کن ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے یہ اجتماعیت برپا کی گئی ہے‘ اور ان کے عملی پہلو کیا ہیں‘ اس کے حوالے سے آج گفتگو ہوگی۔

تنظیم اسلامی ......ایک تعارف

تنظیم اسلامی کے متعلق ایک پیراگراف ہے جو ہمارے لٹریچر میں عام ملے گا‘ اسے میں آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں:

> ’’تنظیم اسلامی مروجہ مفہوم کے اعتبار سے نہ کوئی سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ بلکہ ایک اسلامی انقلابی جماعت ہے جو اولاً پاکستان میں اور بالآخر ساری دنیا میں دینِ حق یعنی اسلام کو غالب یا بالفاظِ دیگر نظامِ خلافت قائم کرنا چاہتی ہے۔‘‘

پہلی بات یہ ہے کہ تنظیم اسلامی کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے۔ مروّجہ معنوں میں سیاسی جماعتیں جن میں دینی جماعتیں بھی شامل ہیں اور جو یہ سمجھتی ہیں کہ انتخابی راستے سے ملک میں اسلام آسکتا

ہے‘ہم ان کے اس موقف سے پوری دیانتداری کے ساتھ اختلافِ رائے رکھتے ہیں۔ چنانچہ مروّجہ معنوں میں تنظیم اسلامی کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ سیاست پر ہم بھی بات کرتے ہیں۔ نظامِ خلافت کے تحت جو سیاسی نظام قائم ہوگا اس کے خدوخال کیا ہوں گے‘ وہ ہم بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ کو امیر تنظیم اسلامی کے خطاباتِ جمعہ میں حالات حاضرہ کے اعتبار سے سیاست پر باتیں ملیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیاست دین سے الگ نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا ع ’’جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی‘‘ چنانچہ سیاست ہمارے دین کا ایک جزو ہے۔ دین ہمارے لیے اس بارے میں بھی رہنمائی عطا کرتا ہے‘ لیکن ہم نے انتخابی سیاست کو دین کے نفاذ کے لیے مناسب نہیں سمجھا اس لیے ہم مروّجہ معنوں میں سیاسی جماعت نہیں ہیں۔

اسی طرح تنظیم اسلامی کسی خاص مسلک کی نمائندہ جماعت بھی نہیں ہے۔ ہمارے ہاں مسالک ہیں‘ مختلف گروہ ہیں‘ مختلف فرقے ہیں‘ مگر تنظیم اسلامی کسی خاص مسلک کی بنیاد پر قائم نہیں ہے جیسے ہمارے ہاں مسلک کی بنیاد پر دیگر جماعتیں موجود ہیں‘ مثلاً جمعیت علماءِ اسلام کی بنیاد دیو بندی فکر پر ہے اور جمعیت علماءِ پاکستان بریلوی مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتی ہے۔ مگر تنظیم اسلامی فرقوں اور مسالک سے ماوراء ہے اور اس میں ہر مکتبہ فکر کے لوگ موجود ہیں۔ الحمد للہ ہماری تنظیم میں حنفی مسلمان بھی شامل ہیں اور اہل حدیث بھی‘ جو تنظیم میں رہتے ہوئے اپنے فقہی مسلک پر عمل کرتے ہیں۔ گویا ہمارے نزدیک اہل سنت والجماعت کے تمام مکاتبِ فکر قابل احترام ہیں اور الحمد للہ ہمارے ہاں یہ وسعت قلبی موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تنظیم اسلامی ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت ہے۔ انقلاب کی تعریف دینی فرائض کا جامع تصور ہے جو آگے بیان کیا جائے گا۔ اسلام صرف چند عبادات‘ عقائد اور رسومات کی ادائیگی کے اہتمام تک محدود نہیں ہے۔ یہ مکمل نظامِ زندگی ہے جو زندگی کے جُملہ امور کے لیے رہنمائی عطا کرتا ہے۔ تنظیم اسلامی ہمارے سامنے انقلابی دعوت رکھتی ہے جس کا تقاضا ہے کہ اللہ کی حاکمیت ایک فرد کے وجود پر بھی نافذ ہو اور معاشرے‘ ریاست‘ حکومت اور پوری زمین پر بھی اللہ کا حکم نافذ ہو۔ یہ دین کا انقلابی تصور ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ تنظیم اسلامی اولاً پاکستان اور بالآخر ساری دنیا پر دینِ حق یعنی دینِ اسلام کو غالب کرنے اور نظامِ خلافت کو قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ اس کے پیش نظر اسلامی انقلاب برپا کرنے کی جدوجہد ہے۔ اولاً پاکستان میں اس لیے کہ ہر نبی اور رسول کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ جس علاقے میں مبعوث کیے گئے وہیں پر محنت کرتے تھے۔ جب وہ قوم اپنے رسول کی جان کے درپے

ہوجاتی تو اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم آجاتا۔اس کی اعلیٰ ترین مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مطہرہ ہے۔مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرہ برس موجود رہے لیکن جب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے درپے ہوگئے تو اللہ کی اجازت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔جب تک صلح حدیبیہ نہیں ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہر وفود روانہ نہیں فرمائے۔صلح حدیبیہ ۸ھ میں ہوئی اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیرون عرب وفود روانہ فرمائے۔اس کے بعد فتح مکہ ہوئی اور سرزمین عرب پر اللہ کا دین غالب ہوا کیونکہ مکہ کی حیثیت اُمّ القریٰ کی تھی۔اس لئے ہم نے طے کیا کہ اوّلاً پاکستان میں نظامِ خلافت کے قیام کی جدوجہد کرنی ہے ۔خلافت کے خاتمے کے بعد مسلم ممالک کی ۵۷'۵۸ لکیریں کھنچ گئی ہیں اوران میں سے ہرایک ملک میں داخلے کے لیے پاسپورٹ اورویزے کی ضرورت پڑتی ہے۔ہمارا اپنا ملک پاکستان ہے اور ہمارے لیے اوّلاً میدان یہی ہے۔گوساری زمین اللہ کی ہے اورساری دنیامیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کالایاہوادین پہنچنا چاہیے'لیکن یہ اگلا مرحلہ ہے۔

تنظیم اسلامی کے حوالے سے اکثر بنیادی باتیں آپ کے سامنے آجانی چاہئیں کہ ہم آپ کو تنظیم اسلامی کی دعوت کیوں دے رہے ہیں اور کیوں یہ سارے تصورات آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں۔ایک واضح وجہ تو یہی ہے کہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ہم نے پوری دیانت داری کے ساتھ اس جماعت کو اپنے لیے پسند کیا تو ہم یہ پسند کریں گے کہ اس خیر کو آپ تک بھی پہنچائیں۔آپ کو اگر یہ بات پسند ہے تو آپ آگے بڑھیں'ہمارے دست وبازو بنیں۔اگر آپ کا دل کسی اور جماعت پر مطمئن ہے اور آپ محسوس کریں کہ اس جماعت کے ساتھ وابستہ ہوکر میں اپنے دین کے تقاضوں پر عمل کرسکتا ہوں اور نظامِ خلافت کوقائم کرنے کی ذمہ داری کو میں وہاں احسن طریقے سے ادا کرسکتا ہوں تو اس جماعت سے وابستہ ہوجائیں۔دین کے فرائض کو ادا کرنا لازم ہے جس کی ادائیگی کے لیے اجتماعیت ضروری ہے'اکیلے اکیلے یہ کام نہیں ہوسکتا۔

ہمارے بنیادی دینی فرائض

تین مختصر جملوں میں دینی فرائض کو بیان کیا جاسکتا ہے۔سب سے پہلے ہم خود اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرنے کی کوشش کریں۔دوسرا یہ کہ ہم دوسروں تک دین کی دعوت کو پہنچانے کی کوشش کریں۔تیسرا یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ادا کردہ دین حق کو غالب اور نافذ کرنے کی جدوجہد کریں اور نظام خلافت کو قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔یہ ہمارے بنیادی دینی فرائض ہیں اور یہی فرائض

خواتین پر بھی عائد ہوتے ہیں مگر ان کے دائرۂ کار کے حدود میں رہتے ہوئے۔ مثلاً نماز مسلمان مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے، لیکن مرد کے لیے جماعت کی افضلیت ہے، چنانچہ مرد حضرات باجماعت نماز کی عادت بنائیں اور عورت کے لیے نماز کی ادائیگی گھر میں افضل ہے تو وہ گھر پر نماز ادا کرے۔ دائرۂ کار کے اعتبار سے یہ فرق واقع ہو گیا۔ ایسے ہی دیگر فرائض میں بھی دائرۂ کار کے اعتبار سے مرد و عورت میں فرق ہو جائے گا۔ معاملہ گڈمڈ نہیں ہونا چاہیے جیسے کہ ہم بعض جماعتوں میں دیکھتے ہیں۔ مغرب نے مرد و عورت کو شانہ بشانہ کھڑا کر دیا تو ہم بھی وہی کرنے لگے ہیں۔ عورتیں بھی مردوں کے شانہ بشانہ گھر سے باہر آ کر دین کا کام کریں تو یہ ہمارے دین کا مزاج نہیں ہے۔

اللہ کی بندگی اختیار کرنا

اب آیئے ان تینوں فرائض لیے قرآن سے دلائل تلاش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الذاریات' آیت ۵۶ میں فرمایا: {وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ} ''اور میں نے نہیں پیدا کیا جنّوں اور انسانوں کو مگر صرف اس لیے کہ وہ میری بندگی کریں''۔ شیخ سعدیؒ نے اس مفہوم کی ترجمانی اس طرح کی ہے: ؎

زندگی آمد برائے بندگی　　زندگی بے بندگی شرمندگی!

دین کے تقاضے کو اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ ''عبادت'' ہے۔ عربی میں عبد غلام کو کہا جاتا ہے اور غلام چوبیس گھنٹے کا ملازم ہوتا ہے۔ وہ اپنے مالک کی مرضی کا تابع ہے۔

کسی نے کہا کہ آج کی دنیا میں تہذیبوں کا تصادم ہے۔ دراصل تصادم اس بات میں ہے کہ انسانی عقل بالاتر ہے یا رب العالمین کا حکم اور ہم خود مختار ہیں یا وحی الٰہی کے محتاج۔ کچھ دن پہلے ہمارے ہاں بھی ہم جنس پرستوں کی محفل کا انعقاد ہو گیا۔ اس محفل میں ۷۵ سے زیادہ پاکستانی شریک تھے۔ کہنے والوں نے کہا کہ ہم عقل کو جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ یہ اس دور کا سب سے بڑا مسئلہ ہے بلکہ ہر دور میں یہ مسئلہ رہا ہے۔ شیطان نے رب کے حکم کے مقابلے میں اپنی عقل کو استعمال کیا۔ کہنے لگا کہ میں آگ سے بنا اور یہ مٹی سے، آگ اوپر جاتی ہے اور مٹی نیچے پڑی رہتی ہے، چنانچہ میں اسے سجدہ کیوں کروں۔ یہ ہے عقل پرستی کا فریب جو آج ہمارے معاشرے میں معروف ہے۔ یہی سب سے بڑا جھگڑا ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ میری چلے گی لیکن بندہ کہتا ہے کہ میری چلے گی۔

اللہ کی غلامی اور بندوں کی غلامی کے اعتبار سے بھی ایک فرق ہو جائے گا۔ غلام بیچارہ مجبوراً غلام ہوتا ہے۔ اگر اسے کبھی بھاگنے کا موقع ملے تو چوکتا نہیں۔ کیا ہم مجبوراً اللہ کی عبادت کریں؟ وہ

تو ہمارا مالک، خالق، رازق اور پالن ہار ہے۔ اپنی کروڑ ہا کروڑ مخلوق کا رازق ہے۔ چنانچہ محبت کے جذبے کے ساتھ سرشار ہو کر اللہ کی بندگی کرنی چاہیے۔ اللہ کی اطاعت کرنا عبادت ہے اور یہ عبادت چوبیس گھنٹے مطلوب ہے۔ بندے کے طرزِ عمل سے پتا چل جاتا ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے عبادت میں ہے یا نہیں۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن وہ ہے جس کو دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔ اب شادی کے موقع پر اس کے طور اطوار سے اور اس کے کاروباری انداز سے یعنی اذان کی آواز پر اس کے ردعمل سے پتا چل جائے گا کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔

کچھ معاملات تو ایسے ہیں جہاں ہمارا اختیار چلتا ہے۔ ایسے معاملات میں اللہ کی بندگی اختیار کی جائے تو ہو سکتی ہے۔ نماز روزے پر عمل کرنا مشکل نہیں۔ جو نماز روزے کو چھوڑ رہا ہے وہ جان بوجھ کر چھوڑ رہا ہے۔ کسی حکومت نے نماز کی ادائیگی پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ جو نماز چھوڑ رہا ہے وہ مجرم ہے۔ یہی قرآن سود کو چھوڑنے کا حکم دیتا ہے اور یہ سخت تنبیہہ کرتا ہے کہ اگر سود نہیں چھوڑتے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہاں ہمارا اختیار نہیں ہے۔ سودی نظام کو ختم کر دینا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ یہ ہمارے بس میں ہے کہ سودی اکاؤنٹ نہ کھولیں اور سودی انوسٹمنٹ نہ کریں، لیکن سود کا غبار تو بہر حال ہمارے اندر جا رہا ہے۔ ہم جو غذا کھا رہے ہیں، جو پانی پی رہے ہیں اس میں سود لگ کر آ رہا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ایک ہمارا انفرادی دائرہ کار ہے اس میں اللہ کے حکم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر عمل ہو سکتا ہے، لیکن بہت سارے معاملات ایسے ہیں جہاں اللہ کے حکم پر عمل کرنا ہمارے بس میں نہیں رہا۔ اس کے نتیجے میں ہماری عبادت نامکمل ہے۔

دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینا

اگلا مرحلہ دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینا ہے۔ اگر میں اپنی عبادت کی تکمیل چاہتا ہوں تو مجھے ماحول کو favourable بنانا ہوگا۔ میں نے مسجد میں نماز باجماعت ادا کی جس کے نتیجے میں الحمد للہ تقویٰ پیدا ہوا۔ مسجد سے باہر نکلتا ہوں تو بے حیائی کی دعوت عام بل بورڈز وغیرہ پر ملتی ہے۔ مجھے اس معاملے میں لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا چاہیے تاکہ مسجد سے باہر نکل کر بھی میں اللہ کی بندگی کے قابل رہ سکوں۔ ہمیں اپنی عبادت کی تکمیل کے لیے دین کی دعوت اوروں کو دینی ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں۔ اس ناطے ہمارا فرض ہے کہ اپنی اپنی استعداد کے اعتبار سے دین کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ امت اجتماعی سطح پر وہ کام کرے جس کے لیے اس کو برپا کیا گیا ہے۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۱۰ میں ارشاد ہوا: { كُنْتُمْ خَيْرَ

اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ} ''تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے تم حکم کرتے ہو نیکی کا اور تم روکتے ہو بدی سے اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر''یعنی تمہیں صرف اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے بھی جینا ہے۔اسی طرح سورۃ البقرۃ' آیت ۱۴۳ میں ارشاد ہوا:{وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ} ''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ؐ تم پر گواہ ہو''۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً سوا لاکھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مجمع سے گواہی لی ہے: ((اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟)) لوگو سنو! کیا میں نے پہنچا دیا ؟اس پر پورے مجمع نے یک زبان ہو کر جواب دیا : نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ۔ کہ ہاں ہم گواہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت کا حق ادا کر دیا' آپ ؐ نے امانت کا حق ادا کر دیا (یہ قرآن آپ ؐ کے پاس اللہ کی امانت تھی جو آپ ؐ نے ہم تک پہنچا دی)' آپ ؐ نے اُمت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کو گواہ بناتے ہوئے تین فرمایا ((اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ))''اے اللہ! تو گواہ رہ''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))''پس اب پہنچائیں وہ جو یہاں موجود ہیں ان تک جو موجود نہیں ہیں''۔ چنانچہ اب یہ اُمت کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی ہونے کے ناطے امت کی دوہری ذمہ داری ہے کہ خود ممکنہ حد تک اللہ کی بندگی اختیار کریں اور اسی بندگی کی دعوت دوسروں تک پہنچائیں۔لیکن اگر اُمت سو گئی ہو تو جنہیں احساس ہو وہ کھڑے ہوں اور ایک اجتماعیت اختیار کریں اور اجتماعی سطح پر اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔سورۂ آلِ عمران' آیت ۱۰۴ میں فرمایا گیا:

{وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ}

''اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے' نیکی کا حکم دیتی رہے اور بدی سے روکتی رہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''--------خیر کا لفظ قرآن میں مال کے لیے بھی آتا ہے' بھلائی کے لیے بھی اور یہ لفظ خود قرآن کے لیے بھی آیا ہے۔ سورۃ النحل' آیت ۳۰ میں فرمایا: {وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا

خَيْرًا ط} ”اور (جب) پوچھا جاتا ہے اہلِ تقویٰ سے کہ یہ کیا نازل کیا ہے تمہارے رب نے؟ وہ کہتے ہیں بھلائی“۔ اسی طرح سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۳ میں قرآن کے ساتھ جڑنے کا حکم دیا گیا ہے: {وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص} ”اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو مل جل کر اور تفرقے میں نہ پڑو۔“

سورۂ آلِ عمران کی مذکورہ آیت میں فرمایا گیا کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے۔ گویا امت اگر سوگئی ہو تو جن لوگوں میں احساس، تڑپ، جستجو ہو وہ اکیلے نہ بیٹھیں، بلکہ کسی نہ کسی اجتماعیت کو اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ اسی کو قرآن دوٹوک انداز میں سورۃ العصر میں بیان کرتا ہے: {وَالْعَصْرِ (1) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ (2)} ”زمانے کی قسم ہے۔ یقینا انسان خسارے میں ہے“۔ اللہ کی طرف سے یہ بہت بڑی وارننگ ہے۔ اگلی آیت میں امید کی کرن دکھا دی گئی: {اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3)} ”سوائے اُن کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور انہوں نے باہم ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی“۔ حق یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کے پیسے دبا دیے تو اسے دلانے کی کوشش کی جائے گی۔ کسی نے کسی کا حق مارا تو اسے سمجھانے کی کوشش کی جائے گی۔ سب سے بڑا حق اللہ کا ہے۔ وہ خالق بھی ہے، رازق بھی ہے، مالک بھی ہے اور حاکم بھی ہے۔ اسے منوانے کے لیے میدان میں آنا ہے۔ یہ سارے کام ہوں تو ان شاء اللہ ہم خسارے سے بچ سکیں گے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کے ناطے ہم پر دوسروں تک اللہ کے دین کی دعوت کو پہنچانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

دینِ حق کو غالب اور نافذ کرنے کی جدوجہد کرنا

فرائض دینی میں تیسرا مرحلہ ہے: نظامِ خلافت کے قیام کی کوشش کرنا، مسلمانوں میں امامت اور اجتماعیت کو قائم کرنا یعنی مسلمانوں کا کوئی امام ہو، کوئی امیر ہو۔ ہماری عبادت نامکمل رہے گی اگر اللہ کا دین قائم نہیں ہوتا، اگر سود کے نظام کا خاتمہ، زکوٰۃ کی ادائیگی اور کفالت عامہ کا معاملہ، نماز کی اقامت کا معاملہ، شریعت کے احکامات کے تحت مقدمات کے فیصلے نہیں ہوتے۔ سورۃ المائدہ کی آیات ۴۴، ۴۵ اور ۴۷ میں واضح طور پر فرما دیا: {وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (44)... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (45)...فَاُولٰٓئِكَ

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ(47)} ''اور جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں...... وہی تو ظالم ہیں...... وہی تو فاسق ہیں''۔ اللہ کی طرف سے کتنی سخت تنبیہہ ہے' جبکہ ہمارے ہاں تو قانون انگریز کا چل رہا ہے اور دھڑلے سے شریعت کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ اس تناظر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تکمیل کے لیے اقامت دین کی جدوجہد کرنا ہم پر فرض ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارا نظام بہترین ہے' لیکن یہ دین کہیں نافذ بھی ہے؟ دعوت کی تکمیل کے لیے بھی ضروری ہے کہ نفاذِ اسلام کی جدوجہد کی جائے۔ قرآن ہمیں رہنمائی عطا فرماتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی ۲۳ برس کی محنت کا نقطۂ نظر یہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے مقصد کو قرآن کریم کے تین مقامات میں بایں الفاظ فرمایا گیا: {هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ} (التوبۃ:۳۳' الفتح:۲۸' الصف:۹) ''وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دینِ حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل دین (نظامِ زندگی) پر۔''

رسالت مآب ﷺ کی یہ ۲۳ برس کی سنت ہے جس کے دوران ۲۵۹ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جانیں پیش کی گئیں اور اس کے نتیجے میں حق آ گیا اور باطل مٹ گیا کیونکہ باطل ہے ہی مٹنے کے لیے۔ یہی آپ ﷺ کا مشن ہے۔ اسی کا تسلسل خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی رہا۔ اس کے بعد دورِ زوال شروع ہوا تا آنکہ آج دین کی عمارت پورے طور پر منہدم ہو چکی ہے۔ اب اسے دوبارہ قائم کرنے کی ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر ہے۔ یہی حکم قرآن سورۃ الشوریٰ' آیت ۱۳ میں پانچ جلیل القدر رسولوں کا تذکرہ کرتے ہوئے دیتا ہے: {اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ط} ''کہ قائم کرو دین کو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔''

اجتماعیت اور تنظیم کی ضرورت و اہمیت

حاصل کلام یہ ہے کہ اپنی ذاتی زندگی میں ممکنہ حد تک اللہ رب العالمین کی بندگی کی کوشش کرنا' نبی اکرم ﷺ کے امتی ہونے کے ناطے اللہ کے دین کے پیغام کو بندوں تک پہنچانا اور اللہ کی زمین پر اس کے عادلانہ نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنے کی ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر ہے۔ تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم سے ان فرائض کی جانب توجہ دلائی جاتی ہے اور ان کی ادائیگی کے لیے اجتماعیت سے جڑنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ جماعتی زندگی اختیار کیے بغیر ان فرائض کی ادائیگی ممکن نہیں ہے۔ انفرادی سطح پر بھی قرآن اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ جڑنے کی بات کرتا

ہے۔سورۃ التوبہ' آیت ۱۱۹ میں ارشاد ہوا: {یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ O} ''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کی معیت اختیار کرو''۔انفرادی سطح پر بھی اللہ کی نافرمانی سے بچنا چاہتے ہوتو اجتماعیت اختیار کرو۔اچھے ماحول میں جاؤ گے تو سیکھنے اور سمجھنے اور اصلاح کے مواقع ملیں گے اور اللہ کی بندگی آسان ہوجائے گی۔دعوت کا فریضہ انجام دینا چاہتے ہوتو اجتماعیت کے ساتھ جڑ وجیسا کہ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۴ پہلے گزر چکی کہ چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو خیر کی طرف دعوت دے' بھلائی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔اس سے آگے بڑھیں۔نفاذِ دین کے دوران قتال کا موقع بھی آسکتا ہے۔سورۃ الصّف' آیت ۴ میں ارشاد ہوا: {اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ} ''اللہ کو تو محبوب ہیں وہ بندے جو اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر قتال کرتے ہیں' جیسے کہ وہ سیسہ پلائی دیوار ہوں''۔اس کے علاوہ اجتماعیت کے لیے اور بھی بہت سے دلائل دیے جا سکتے ہیں۔

احادیث مبارکہ کی جانب آئیں تو رسول اللہ ﷺ کی کئی احادیث ہیں جن میں اجتماعیت کو اختیار کرنے کا کہا گیا ہے۔ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اجتماعیت اختیار کرو اور اکیلے اکیلے رہنے سے بچو اس لیے کہ شیطان اس انسان سے زیادہ قریب ہوتا ہے جو کسی اجتماعیت سے جڑا ہوا نہ ہو۔اور ایک روایت میں یوں بھی آیا کہ شیطان انسان کے لیے اس بھیڑیئے کی مانند ہے جو اس بکری پر حملہ کرتا ہے جو ریوڑ سے علیحدہ چل رہی ہو۔رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو بھی اجتماعیت اختیار کرنے کا حکم فرمایا:

((اَنَا آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ))(۱)

مسلمانو! میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں' اللہ نے مجھے ان (باتوں) کا حکم دیا ہے: التزامِ جماعت کا (حکم)' سننے کا (حکم)' ماننے کا (حکم)' ہجرت (راہِ خدا میں ترکِ وطن) کا اور اللہ کی راہ میں جہاد کا (حکم)۔''

سنن نسائی کی ایک روایت کے مطابق ہجرت یہ ہے کہ ہر وہ بات جو اللہ کو ناپسند ہو اسے چھوڑ دو۔اس کی انتہا یہ ہے کہ اللہ کے دین کی خاطر گھر بار بھی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔جہاد کے آغاز کے بارے

(۱) مسند احمد' کتاب مسند الشامیین' باب حدیث الحارث الاشعری عن النبی ﷺ۔

میں فرمایا کہ تم اپنے نفس سے جہاد کرو اللہ کی اطاعت کے لیے اور اس کی انتہا قتال فی سبیل اللہ ہے جس کا حاصل فتنہ کا خاتمہ اور اللہ کے دین کا غلبہ ہے۔ سورۃ الانفال' آیت ۳۹ میں فرمایا گیا: {وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ} ''اور (اے مسلمانو!) ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (کفر) باقی نہ رہے اور دین کُل کا کُل اللہ ہی کا ہو جائے۔''

اسلام کا مزاج ہی جماعتی ہے۔ مردوں پر نماز باجماعت لازم ہے۔ نہ جمعہ اور نہ ہی عیدین کی نمازیں اکیلے پڑھی جاسکتی ہیں۔ سفر میں اگر تین افراد بھی جا رہے ہوں تو ان میں سے ایک ان کا امیر ہونا چاہیے۔ جماعتی زندگی کی اہمیت اور ''جماعت'' کے ڈسپلن سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی بہت واضح ہے:

اِنَّهٗ لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِجَمَاعَةٍ وَلَا جَمَاعَةَ اِلَّا بِاِمَارَةٍ وَلَا اِمَارَةَ اِلَّا بِطَاعَةٍ (۱)

''یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نہیں ہے بغیر جماعت کے' اور کوئی جماعت نہیں ہے بغیر امارت کے' اور امارت کا کوئی فائدہ نہیں اگر اس کے ساتھ اطاعت نہ ہو۔''

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن وسنت میں ہمیں اجتماعیت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دینی فرائض کی جن تین سطحوں کو ہم نے سمجھا ان کی ادائیگی اجتماعیت اختیار کئے بغیر ممکن ہی نہیں۔ ایک شخص اگر انفرادی سطح پر بہت عبادت گزار ہو بھی جائے' اپنی ذات میں انجمن بھی ہو جائے' بہت بڑا داعی دین بھی بن جائے' ایسا ممکن ہے لیکن دین کے نفاذ کے لیے اکیلے اکیلے جدوجہد ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک وقت میں دو دو پیغمبر (حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام) موجود رہے' لیکن قوم نے ان کو کورا جواب دیا۔ سورۃ المائدہ کی آیت ۲۴ میں قوم کا قول نقل کیا گیا ہے: {فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ} ''بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور جا کر قتال کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں''۔ قوم کا یہ رویہ تھا تو اقامت دین کا کام نہ ہو سکا۔ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں نے کہا کہ ہمیں موسیٰ ؑ کے ساتھیوں پر قیاس نہ کیجیے۔ ہمیں حکم دیجیے' ہماری گردنیں حاضر ہیں۔ جہاں کہیں گے' ہم جائیں گے۔ پس اقامت دین کا کام مکمل ہوا۔

جماعت کی خصوصیات

مندرجہ بالا قرآنی آیات اور احادیث نبویہ ؐ سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ اجتماعیت بہت ضروری

۱) سنن الدارمی' المقدمة' باب فی ذهاب العلم۔

ہے اور اس کے بغیر دین اسلام کے غالب اور نفاذ کی محنت کامیاب نہیں ہوسکتی تو اب آپ کسی بھی جماعت کے ساتھ مل کر دین کا کام کرنے میں آزاد ہیں۔ اگر آپ جماعت اسلامی کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں تو آگے بڑھئے۔ اگر آپ کسی اور جماعت کی تلاش میں ہیں یا کسی اور جماعت پر مطمئن ہو چکے ہیں تو اس میں شامل ہو جایئے۔

سوال یہ سامنے آتا ہے کہ وہ کیا معیارات ہیں کہ جس جماعت میں وہ موجود ہوں تو آپ اس میں شامل ہوں۔ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ پانچ بنیادی معیارات سامنے رکھ کر لوگوں کو دعوت دیا کرتے تھے۔ میں ان باتوں کو آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔

پہلی خصوصیت:

پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ جس جماعت میں ہم شمولیت اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ ایسی جماعت ہو جس کا واضح مقصد نظامِ خلافت کے قیام کی جدوجہد ہو۔

دوسری خصوصیت:

دوسری بات یہ ہے کہ اس جماعت میں یہ بھی تلاش کیجئے کہ اس میں شامل لوگوں کو دعوت اور ان کی تربیت کی بنیاد قرآن حکیم کو بنایا گیا ہو۔ اس حوالے سے قرآن میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ مثلاً سورۃ المائدۃ کی آیت ۶۷ میں ارشاد ہوا: {يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ} ”اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پہنچا دیجیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپؐ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے۔ اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپؐ نے اُس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا“۔ یعنی تبلیغ قرآن حکیم کے ذریعے سے ہوگی۔ اسی طرح سورۂ ق کی آخری آیت میں فرمایا گیا کہ تذکیر بھی قرآن مجید ہی کے ذریعے سے ہوگی: {فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (45)} ”(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) آپ تذکیر کرتے رہیے اِس قرآن کے ذریعے سے ہر اُس شخص کو جو میری وعید سے ڈرتا ہے“۔ سورۂ مریم کی آیت ۹۷ میں فرمایا: {فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا} ”تو ہم نے آسان کر دیا ہے اس (قرآن) کو آپؐ کی زبان میں تا کہ آپؐ بشارت دیں اس کے ساتھ متقین کو اور خبردار کریں اس کے ساتھ جھگڑالو قوم کو“۔ اسی طرح مکی دور میں عقائد کی درستگی اور ایمان پر استقامت وغیرہ جہاد کے ذریعے تھا اور اس جہاد کے لیے بھی رہنمائی قرآن سے حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے سورۃ الفرقان کی آیت 52 میں فرمایا: {فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا} تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کفار کا کہنا نہ مانیے اور آپؐ ان کے ساتھ جہاد کریں اس (قرآن) کے ذریعے سے بڑا جہاد۔''

اگر تربیت کی بات کریں تو رسول اللہ ﷺ کا معمول تو تھا ہی کہ تہائی، نصف اور دو تہائی رات قرآن حکیم کے ساتھ بسر فرماتے۔ تربیت کے اسی اصول کو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لیے اختیار فرمایا اور اسی قرآن سے ان کا تزکیہ فرمایا۔ چار مرتبہ یہ بات قرآن مجید میں دہرائی گئی کہ آپ ﷺ ان کو تلاوت، تزکیہ، احکامات اور حکمت کی باتیں قرآن کے ذریعے بتائیں۔ مثلاً سورۂ آلِ عمران کی آیت 34 ملاحظہ ہو:

{لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ}

''بے شک اللہ نے احسان فرمایا ہے اہل ایمان پر کہ اٹھایا ان ہی میں سے ایک رسول، ان ہی میں کا، جو سناتا ہے انہیں اس کی آیات اور تزکیہ کرتا ہے ان کا اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب اور حکمت کی، اگرچہ وہ تھے اس سے قبل کھلی گمراہی میں!''

آپ ﷺ کے خطبات جمعہ کے بارے میں ابوداؤد کی روایت ہے کہ آپ خطبہ جمعہ میں قرآن حکیم پڑھتے اور اسی قرآن کے ذریعے سے لوگوں کی تذکیر فرماتے تھے۔ سردارانِ قریش سے جب آپ ﷺ کی گفتگو ہوتی تو انہیں بھی قرآن سناتے تھے۔ حتیٰ کہ طائف میں انسانوں نے سننے اور ماننے سے انکار کیا لیکن طائف سے واپسی پر رب کائنات نے جنّات کو بھیج دیا اور قرآن نے اس بات کی گواہی دی کہ جنّات نے نبی اکرم ﷺ سے قرآن سنا۔

بات تو واضح ہے لیکن یہ فتنوں کا دور ہے لہٰذا وضاحت ضروری ہے۔ ہم تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم سے قرآن پر بار بار زور دیتے ہیں تو ہم اسی قرآن کی بات کر رہے ہیں جس کی وضاحت صاحب قرآن محمد ﷺ نے فرمائی ہے۔ قرآن کی تعلیمات کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ سنت رسول ﷺ کو اور صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے تعمّل کو بھی دیکھا جائے کیونکہ قرآن کے نام پر قائم ہونے والی تحریکوں میں بڑے فتنے بھی پیدا ہوتے رہے ہیں۔

تیسری خصوصیت:

تیسری بات یہ ہے کہ جس جماعت میں شمولیت اختیار کرنے کی کوشش کریں، ہم دلائل کی

بنیاد پر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بیعت سمع وطاعت فی المعروف کی بنیاد پر قائم ہو۔ ہمارے ہاں جس بیعت کا تصور معروف ہے وہ تصوف کے سلسلوں میں ہوا کرتی ہے۔ وہ افراد کے ذاتی تزکیہ اور انفرادی اصلاح کے لیے ہوا کرتی ہے' لیکن جس بیعت کی ہم بات کرتے ہیں وہ بیعت محمدی ﷺ بھی ہے اور بیعت علیٰ الموت اور بیعت علیٰ الجہاد بھی ہے۔ یہ تصور ہمیں رسالت مآب ﷺ سے ملا۔ جس بیعت فی المعروف کی بات ہم کر رہے ہیں' وہ بیعت یہ ہے کہ جہاں امیر ہو وہاں اس کی بات کو سنا اور مانا جاتا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات کو ماننا لازم تھا اور اب بھی لازم ہے۔ امام مالکؒ نے ایک مرتبہ روضۂ رسول ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی سے بھی اختلاف ہوسکتا ہے۔ اب جو بھی دینی جماعت کا امیر ہوگا اس سے بہرحال غلطی اور خطا کا امکان ہے۔ وہ اگر کوئی ایسا حکم دے جو خلافِ شریعت ہو تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اسے بیعت اطاعت فی المعروف کہتے ہیں۔

بیعت کے سلسلے میں قرآن میں چار مقامات پر تذکرہ آیا۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ میں فرمایا گیا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ...... فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے...... پس خوشیاں مناؤ اپنی اس بیع پر جس کا سودا تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ اور یہی ہے بڑی کامیابی''۔ پھر بیعت کا ذکر سورۃ الفتح کی آیت ۱۰ اور ۱۸ میں بیعت رضوان کے حوالے سے آیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی موت کے بارے میں افواہ اڑا دی گئی تو چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت علیٰ الموت کی تھی۔ قرآن گواہی دیتا ہے ان صحابہ کرامؓ سے اللہ راضی ہوگیا۔ خواتین کی بیعت کے الفاظ سورۃ الممتحنہ کی آیت ۱۲ میں آئے ہیں۔ سنن نسائی میں حضور ﷺ سے دس مختلف بیعتوں کا ذکر آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہمیں بیعت کا نظام دے گئے۔ چنانچہ خلفائے راشدین کی خلافت بیعت کی بنیاد پر قائم ہوئی۔ اس کے بعد جب بھی اسلامی تحریکیں چلیں خواہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا معاملہ ہو یا ماضی قریب میں تحریک شہیدین کا معاملہ' ساری تحریکیں بیعت کی بنیاد پر چلی ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ بیعت کیسے لیے رہنمائی ہمیں قرآن' سنت' احادیث' خلفائے راشدین اور امت کے تواترِ عمل سے ملتی ہے۔ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کتابچہ ہے جس کا عنوان ہے ''اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت''۔ اس ضمن میں اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔

چوتھی خصوصیت:

چوتھی بات یہ ہے کہ اس جماعت کا طریقۂ کار ممکنہ حد تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوہ کے انقلابی گوشے کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا ہو۔ممکنہ حد تک سے مراد یہ ہے کہ مرورِ زمانہ کے نتیجے میں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔اس وقت ایک مشرک معاشرے میں یہ کام ہو رہا تھا اور آج ہمارے سامنے کلمہ گو مسلمان ہیں۔ان سب حقائق کو پیش نظر رکھ کر اپنے طریقۂ کار کو ممکنہ حد تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کے مطابق بنانا ہے۔

پانچویں خصوصیت:

پانچویں بات یہ ہے کہ جس جماعت میں شمولیت اختیار کرنی ہو اس کی قیادت کو دیکھیں۔اس میں دنیاداری تو نہیں اور مشن سے وہ کتنا مخلص ہے؟

یہ پانچ باتیں ہیں جو کسی جماعت میں شمولیت سے پہلے پیش نظر رہنی چاہئے۔میں پوری دیانت داری کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ ہم نے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سیکھا کہ اگر تنظیم اپنے نظریات اور طریقۂ کار سے ہٹ جائے تو دوسری جماعت تلاش کر لینی چاہئے۔چونکہ ہم نے دین کے لیے کام کرنا ہے تو کسی نہ کسی جماعت سے منسلک ہونا ضروری ہے۔ہمارے لیے مشن اہم ہے' کوئی اجتماعیت نہیں۔اگر کوئی انحراف نظر آئے تو اصلاح کی کوشش کریں گے۔جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت پر متمکّن ہونے کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ اگر میں سیدھا چلوں تو تم پر میری پیروی لازم ہے لیکن اگر میں نے کج روی اختیار کی تو؟ لوگوں نے تلوار نکال لی اور کہا کہ ہم آپ کو سیدھا کر دیں گے۔اگر تنظیم میں کوئی ایسی صورتحال پیدا ہوئی تو میں بھی اصلاح کی کوشش کروں گا بصورتِ دیگر کسی بہتر جماعت میں شمولیت اختیار کر لوں گا۔مذکورہ معیارات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی ہے۔الحمدللہ ہم ان معیارات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی ٹوٹی پھوٹی کوششوں کے ذریعے پیشرفت کی کوشش کر رہے ہیں۔

تنظیم اسلامی کی دعوت اور اس کے طریقۂ کار کو سمجھئے۔اطمینان ہو تو اس میں شمولیت اختیار کیجئے۔بصورت دیگر جس جماعت پر آپ کا دل ٹھک جائے اس میں شامل ہو جائیے۔اگر کوئی جماعت آپ کی نظر میں نہیں جچتی تو خود جماعت قائم کرنے کی کوشش کیجئے۔دین کا کام بہرحال کرنا ہے۔یہ پیش نظر رہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے اور اس راہ میں استقامت عطا فرمائے۔آمین!!

ملک عزیز پاکستان میں سیکولرازم اور لبرل ازم کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے سدباب

اور

نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کا ایک قابلِ عمل اور موثر طریق کار

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

۱۸ ستمبر ۲۰۱۷ء کو ملی یکجہتی کونسل کی مجلس قائدین کا ایک اجلاس ٹوپاز بینکوئٹ ہال، جوہر ٹاؤن، لاہور میں تنظیم اسلامی کی میزبانی میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں اکثریت انتخابی سیاست میں حصہ لینے والی جماعتوں کی تھی جن کے سامنے تنظیم اسلامی کا یہ مؤقف پیش کیا گیا کہ دینی سیاسی جماعتوں کو اقامتِ دین کی خاطر الیکشن کے ناکام تجربات کے بعد ایک بھرپور، منظم اور پُرامن عوامی تحریک کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ ''دعوتِ فکر اسلامی مہم'' کے تحت امیر تنظیم اسلامی کا مقالہ ذیل میں شائع کیا جارہا ہے۔

اعوذ باللہ من الشَّیطٰن الرَّجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

{اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ قف} (آل عمران:۱۹)

{وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ج} (آل عمران:۸۵)

{اَفَحُکۡمَ الۡجَاہِلِیَّۃِ یَبۡغُوۡنَ ط وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ} (المائدۃ)

{وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ} (المائدۃ)

{وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ} (المائدۃ)

{وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ} (المائدۃ)

میں ملی یک جہتی کونسل کے صدر، محترم صاحبزادہ ابوالخیر زبیر صاحب اور سیکرٹری جنرل لیاقت بلوچ صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس نہایت اہم ملی وقومی سطح کے پلیٹ فارم پر تفصیلی اظہارِ خیال کا خصوصی موقع عطا فرمایا۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ گزشتہ سربراہی اجلاس کے موقع پر جو متفقہ اعلامیہ تیار کیا گیا تھا' اس کے باضابطہ اعلان سے قبل محترم لیاقت بلوچ صاحب نے کمال شفقت سے وہ اعلامیہ مجھے بھی دکھایا تاکہ میں اگر اس میں کوئی قطع و برید یا حک و اضافہ کرنا چاہوں تو تجویز کر دوں۔ اس اعلامیے میں حسب معمول ملکی و قومی سطح کے بہت سے issues کے حوالے سے حکومت وقت کے نامناسب طرزِ عمل اور دین دشمن اقدامات کی شدید ترین الفاظ میں مذمت کی گئی تھی۔ میں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ comment لکھ کر محترم لیاقت بلوچ صاحب کو واپس تھما دیا کہ آخر کب تک صرف مذمت ہی پر اکتفا کرتے رہیں گے' کوئی ٹھوس لائحہ عمل سوچنا چاہیے۔

اس پر پنجابی کے محاورے ''جیہڑا بولے اوہی کنڈا کھولے'' کے مصداق جناب لیاقت بلوچ صاحب نے جواباً یہ کام میرے ذمے ڈال دیا اور فرمایا کہ ٹھوس لائحہ عمل آپ تجویز کریں۔ ساتھ ہی یہ اعلان فرما دیا کہ ملی یکجہتی کونسل کی سپریم کونسل کا آئندہ اجلاس لاہور میں ہوگا' اس کی میزبانی

تنظیم اسلامی کرے گی اور اس میں امیرِ تنظیم اسلامی پاکستان کے موجودہ مسائل کے حوالے سے ٹھوس لائحہ عمل تفصیل سے بیان کریں گے۔ چنانچہ آج کے اجلاس کی میزبانی کا شرف تنظیم کو حاصل ہوا ہے اور طے شدہ فیصلے کے مطابق مجھے دینی جماعتوں کے اس قابل احترام فورم کے سامنے وہ راستہ یا لائحہ عمل تجویز کرنا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم مملکت پاکستان کو حقیقی معنوں میں ایک اسلامی فلاحی ریاست کے قالب میں ڈھال سکیں۔ حضراتِ محترم! میرے نزدیک یہ ہماری قومی زندگی کے اہم ترین issue کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن وسنت کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میرا احساس یہ ہے کہ ہم مسلمانانِ پاکستان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کے حوالے سے یہ issue ایک فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہے۔

موضوع پر براہ راست گفتگو سے قبل چند تمہیدی باتیں عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ پوری اُمتِ مسلمہ اور بالخصوص ملتِ اسلامیہ پاکستان کے حوالے سے علامہ اقبال کا یہ فرمان صدفی صد درست ہے کہ ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری!

حضراتِ محترم! یہ ایک امر واقعہ ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے اور معجزانہ طور پر ہمیں عطا ہوا ہے۔ اس کا قیام ماہ رمضان کی ستائیسویں شب میں عمل میں آیا۔ لہٰذا پاکستان کا استحکام ہی نہیں اس کی بقا کا انحصار بھی حقیقی اسلامی نظام کے قیام پر ہے۔ آدھا ملک ہم گنوا چکے ہیں اور بقیہ آدھا بحرانوں اور گوناگوں مسائل کی آماج گاہ بنا رہتا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم نے اس سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا!

دوسری تمہیدی بات' یہ درست ہے کہ یہاں کے عوام میں ۹۶ فیصد افراد مسلمان ہیں۔ غیر مسلم اقلیت یہاں اتنی قلیل ہے کہ وہ اسلام کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت بلکہ المیہ ہے کہ ریاستی نظام کی سطح پر اسلام کی عملداری صفر ہے۔ آج

بھی پورا ریاستی نظام انگریز کے چھوڑے ہوئے نظام پر استوار ہے۔ کہنے کو حدود آرڈیننس اس ملک میں نافذ ہوا' لیکن چونکہ پورا عدالتی نظام اب بھی انگریز کے بنائے ہوئے اصولوں پر چل رہا ہے جو اس نے بطور حاکم ہمارے اوپر مسلط کیا تھا' لہٰذا یہ قطعی غیر مؤثر ثابت ہوا۔ چنانچہ تاریخ کا سب سے بڑا مذاق ہے کہ کہنے کو حدود آرڈیننس اس ملک میں نافذ ہوئے ایک تہائی صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج تک کسی چور کا ہاتھ کاٹا گیا نہ کسی زانی پر حد جاری کی گئی —— گویا ۲۰ کروڑ مسلمانوں کے اس ملک میں آج تک نہ کوئی چوری کی واردات ہوئی اور نہ زنا کا کوئی واقعہ پیش آیا۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے! دین کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح قیامِ پاکستان کو ۷۰ سال سے زائد ہو چکے ہیں لیکن آج بھی پوری ملکی معیشت سود پر استوار ہے جس کی مذمت میں قرآن وحدیث میں سخت ترین وعید آئی ہے۔ اس حوالے سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہم قیامِ پاکستان سے آج تک اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف حالتِ جنگ میں ہیں۔ مجھے بتایئے کہ ان حالات میں اللہ کی نصرت اور رحمت ہمارے شاملِ حال کیونکر ہوسکتی ہے؟ ہاں اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کو ہم ہر آن دھڑلے سے دعوت دیتے ہیں اور ہمارے احساسات پر جوں تک نہیں رینگتی۔ الا ماشاء اللہ!

اسی طرح معاشرتی سطح پر جائزہ لیا جائے تو بے لگام الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے پورے ملک میں عریانی اور فحاشی یعنی ابلیسی تہذیب کا ایک سیلاب نظر آتا ہے۔ یہ الیکٹرانک میڈیا آج ہمارے حواس پر آسیب کی طرح سوار ہے۔ ملکی وسرکاری سطح پر اس شیطانی ایجنڈے کی بھرپور سرپرستی کی جارہی ہے اور اسلامی معاشرتی تعلیمات اور دینی اقدار کی عمداً دھجیاں بکھیری جاتی ہیں۔ مختصراً یہ کہ آج بحیثیت قوم ہمارا پورا اجتماعی نظام اللہ اور رسول ﷺ سے کھلی بغاوت کی غمازی کررہا ہے۔ ہماری اس رَوِش کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم نہ صرف یہ کہ اللہ کی رحمت اور نصرت سے محروم ہیں بلکہ پوری دنیا میں ذلت وخواری ہمارا مقدر بنی ہوئی ہے۔ انٹرنیشنل ایئرپورٹس پر ہمارے ''گرین پاسپورٹ'' کی جو ''عزت افزائی'' ہوتی ہے وہ انتہائی رسوا کن بھی ہے' عبرت ناک بھی۔ چنانچہ امر واقعہ ہے کہ آج ہم عملاً آیتِ قرآنی {ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُق وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط} (البقرہ: ۶۱) کا مِصداق بنے ہوئے ہیں۔ اسی ذلت ومسکنت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ مسلسل قرض کی مے پینے کے نتیجے میں آج ہم معاشی طور پر ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کی بدترین غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔

ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمارے اس مجرمانہ طرزِ عمل کے نتیجے میں عذاب کا ایک عبرت ناک کوڑا سقوطِ مشرقی پاکستان کی صورت میں ہماری پیٹھ پر برس چکا ہے۔ اپنے ازلی دشمن کے مقابلے میں ذلت آمیز شکست کا داغ ہمیں دیکھنا پڑا، لیکن افسوس کہ ہم نے اس سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ اسی طرح زلزلوں اور سیلابوں کے عذاب کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں جگانے کا سامان کیا۔ بلکہ عذاب کی ایک اور شکل کا ذکر بھی قرآن مجید میں آیا ہے: {اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ} (الانعام: ۶۵) اس خوفناک عذاب کا مزہ بھی ہمیں لسانی، مسلکی اور سیاسی بنیادوں پر بدترین ٹارگٹ کلنگ کی صورت میں چکھنا پڑا۔ لیکن ہم نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس ملک میں اللہ کے دین کو قائم اور غالب کر کے اللہ کو راضی کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی —— ہم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ عالم اسلام کا واحد سنی اکثریتی ملک، افغانستان جس میں ملا عمرؒ کے دورِ اقتدار میں اللہ کا دین قائم اور محمدِ عربی ﷺ کی عطا کردہ شریعت نافذ تھی، اور اس دور میں جو بھی افغانستان جاتا تھا وہ یہ کہتا ہوا واپس آتا تھا کہ دورِ خلافت راشدہ کی یاد تازہ ہوگئی، اس کی خالص اسلامی حکومت کو ختم کرنے میں ہم نے اللہ کے بدترین دشمنوں کی صف میں کھڑے ہو کر ان کے فرنٹ لائن اتحادی کا کردار ادا کیا —— آج وہی امریکہ جس کے شیطانی ایجنڈے کی تکمیل اور خوشنودی کی خاطر ہم نے اپنے ہزاروں فوجی جوانوں اور ہزارہا شہریوں کی جانوں کا نقصان گوارا کیا، آج ہمیں ننگے لفظوں میں عبرت ناک انجام کی دھمکیاں دے رہا ہے اور اس نے اپنی حمایت کا سارا وزن ہمارے ازلی دشمن بھارت کے پلڑے میں ڈال دیا ہے۔

حضرات محترم! آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب ہمارے حکمرانوں کا قصور ہے، لیکن میں بصد ادب عرض کروں گا کہ جب حکمران طبقہ اپنی ذمہ داری ادا نہ کر رہا ہو تو قوم کی اصلاح اور مثبت دینی رہنمائی ہی کی نہیں، دینی ذہن سازی کی ذمہ داری بھی رجالِ دین پر آتی ہے۔ ازروئے قرآن، مسلم معاشرے میں دینی طبقات کی اہم ترین ذمہ داری ''نہی عن المنکر'' کی ہے۔ سورۃ المائدۃ میں یہود کے علماء کا جرمِ عظیم یہ بتایا گیا: {کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ ؕ}۔ مزید برآں اسی سورہ میں بات کو مزید کھولا گیا: {لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الْاِثْمَ وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ ؕ}۔ برا نہ مانیے گا، ہم دینی جماعتوں نے اپنی ان اہم ترین دینی ذمہ داریوں یعنی منکرات کے خلاف بھرپور جہاد باللسان کے تقاضے پورا کرنے اور

عوام الناس کی اسلامی وایمانی حوالوں سے مثبت ذہن سازی کرنے اوراس طرح ملک میں نظامِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفاذ کے لیے انہیں آمادۂ عمل کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اس کے متبادل کے طور پر ہم نے انتخابات میں حصہ لینے اوراس طرح اقتدار میں آنے کی کوشش کو اپنا شعار بنالیا کہ اس طور سے اقتدار میں آ کر ہم شریعت کے نفاذ اور دین کی بالادستی کا نظام قائم کریں گے —— اور ستم بالائے ستم یہ کہ انتخابات میں کامیابی کے حصول کے لیے سیکولر جماعتوں کے ساتھ الحاق کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا، جو قطعی طور پر ناقابل فہم ہے۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے۔ حاضرین محترم! اگرچہ ہم انتخابات کے ذریعے حکومتی ایوانوں میں پہنچ کر شریعت کے نفاذ کی کوشش کو فی نفسہٖ خلاف اسلام نہیں سمجھتے، لیکن ۷۰ سال کے تجربے کے بعد بھی اور مسلسل ناکامی کے بعد بھی اسی ایک طریقے پر جازم رہنا میرے جیسے کند ذہن شخص کے لیے قطعی طور پر ناقابل فہم ہے۔ بالخصوص ''ایم ایم اے'' کے تجربے کے بعد بھی اسی ایک راستے پر جازم رہنا قطعی طور پر سمجھ سے باہر ہے!

میں اپنی گفتگو کے آخری اور اہم ترین حصے پر پہنچ گیا ہوں کہ متبادل راستہ کون سا ہے؟ اس کے لیے چند منٹ مزید آپ کی سمع خراشی کے لیے پیشگی معذرت کا خواہاں ہوں۔

حضرات محترم! فی زمانہ ہمارے لیے ''الیکشن، ممبری، کرسی، صدارت'' والے راستے کی ناکامی کے بعد، علمی اور عملی طور پر دو ممکنہ راستے موجود ہیں۔ ان میں سے ایک feasible نہیں ہے اور کسی طور مناسب بھی نہیں ہے، جبکہ دوسرا قابل عمل بھی ہے اور محفوظ بھی۔ ان دو میں سے پہلا راستہ مقتدر طبقات کے خلاف مسلح بغاوت کا ہے، جو ہمارے نزدیک فی زمانہ بہت سے اعتبارات سے feasible اور مناسب نہیں ہے۔ دوسرا راستہ ایک بھرپور عوامی تحریک کا ہے جو فی زمانہ بہت مؤثر بھی ہے، معروف بھی ہے اور محفوظ بھی۔

دورِ حاضر میں ایران کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ شہنشاہیت کے خاتمے کے لیے وہاں کے باشعور عوام نے ایک زبردست تحریک چلائی جو پُرامن لیکن بہت بھرپور تھی۔ ایران کے عوام اور راہنماؤں نے ایک عظیم مقصد کے لیے قربانیاں دی تھیں۔ حکومت نے انہیں کچلنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پولیس کو استعمال کیا، فوج کو استعمال کیا گیا۔ لیکن جب عوام اور ان کی قیادت نے استقامت کا مظاہرہ کیا تو بالآخر شہنشاہِ وقت کو ذلت کے ساتھ ملک بدر ہونا پڑا کہ ع دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں۔ آج کے دور میں ایک بھرپور عوامی تحریک کے ذریعے انقلاب برپا کرنے

کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ دور کیوں جاتے ہیں' خود ہمارے وطن عزیز میں عوامی تحریک کے ذریعے بعض اہم دینی issues کے حوالے سے کامیابی کے حصول کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ جہاں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں الیکشن کے راستے سے جدوجہد کے نتیجے میں نظام مصطفیٰ ؐ اور شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نفاذ میں آج تک ہمیں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی' یہاں تک کہ ایم ایم اے کا تجربہ بھی ملک میں نفاذ شریعت کے حوالے سے قطعی ناکام ثابت ہوا اور کامیابی صرف اس قدر تھی کہ پاکستان کے دوصوبوں میں سیاسی اعتبار سے ہمیں اقتدار میں شراکت کا موقع ملا' جبکہ شریعت کے بالفعل نفاذ اور موجودہ باطل نظام کی جڑ اور بنیاد سے تبدیلی کے حوالے سے ہم کوئی مؤثر کام کرنے سے یکسر قاصر رہے۔ اسی طرح یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کبھی ہماری دینی جماعتوں نے کسی دینی issue کے حوالے سے متحد ہو کر عوامی تحریک کا راستہ اختیار کیا' اللہ ربّ العزت نے ہمیشہ کامیابی عطا فرمائی۔ ۱۹۷۴ء کی اینٹی قادیانی موومنٹ اور ابھی محض پانچ سال قبل ''تحفظِ ناموسِ رسالت کی تحریک'' اس کی واضح مثالیں ہیں۔ کیا گزشتہ ستر سال کا یہ تجربہ کافی نہیں ہے کہ ہم اس کی روشنی میں اپنے لائحۂ عمل کو از سرِ نو مرتب کریں۔

حاصلِ کلام یہ کہ غلبہ و اقامت دین کی خاطر ایک بھرپور اور منظم عوامی تحریک جو پر امن بھی ہو' آج ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں' اس ملک میں جزوی طور پر مختلف issues پر ہم نے عوامی تحریک کا راستہ اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں کامیابی عطا فرمائی ------- لیکن افسوس اور رنج کا مقام یہ ہے کہ آج تک نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے کوئی حقیقی تحریک ہم نے اس ملک میں نہیں چلائی۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ۱۹۷۷ء کی نظام مصطفیٰ ؐ تحریک' حقیقی معنوں میں نظام مصطفیٰ ؐ تحریک نہیں تھی۔ یہ اصلاً اینٹی بھٹو تحریک تھی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۱۹۷۷ء کے انتخابات جو بھٹو صاحب نے اپنی نگرانی میں کرائے تھے' اس کے نتائج کو تسلیم کرنے سے اپوزیشن نے انکار کیا اور تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ اس حوالے سے پاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں بھٹو صاحب کے خلاف متحد ہو گئی تھیں۔ تحریک اٹھانے میں سب سے اہم اور فعال کردار ایئر مارشل (ر) اصغر خان کا تھا (جو اُس وقت تحریک استقلال کے صدر تھے)۔ وہ پاکستان میں سیکولر قوتوں کے سرخیل تھے۔ دوسرے لفظوں میں نظامِ مصطفیٰ ؐ کے بدترین مخالف۔ انہوں نے تمام سیاسی جماعتوں کو اکٹھا کیا' PNA کی تحریک (پاکستان نیشنل الائنس) کے نام سے ایک اتحاد

تشکیل دیا اور بھٹو صاحب کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ ابتدا میں اس اتحاد کو ''نو ستاروں کی تحریک'' کہا گیا' اس لیے کہ اس میں پیپلز پارٹی کے سوا ملک کی دیگر تمام نو سیاسی جماعتیں شریک تھیں۔ تحریک کے ابتدائی مراحل میں ہی محسوس کر لیا گیا کہ تحریک کا momentum نہیں بن پا رہا تو مصلحتاً اس کا نام نظام مصطفیٰ ؐ تحریک رکھ دیا گیا تا کہ لوگ قربانی دینے پر آمادہ ہوں اور اس اتحاد کے صدر کا مقام مولانا مفتی محمود کو دیا گیا---- میں یہاں تاریخ کے ریکارڈ کو درست رکھنے کے حوالے سے یہ بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ جب اس اینٹی بھٹو تحریک یعنی PNA کو نظام مصطفیٰؐ کا عنوان دینے کا اعلان ہوا تو والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ نے اسی وقت ساتھیوں کے سامنے اپنے ان تاثرات کا اظہار فرمایا کہ یہ دین کے نام پر دھوکا دیا جا رہا ہے۔ اُن کا مؤقف یہ تھا کہ یہ خالص اینٹی بھٹو تحریک ہے جس میں ملک کے بدترین سیکولر عناصر شامل ہیں۔ ان کا مقصد بھٹو کو اقتدار سے ہٹانا ہے۔ جس دن یہ مقصد حاصل ہو گیا' یہ تحریک از خود ختم ہو جائے گی۔ اس پر والد محترم کو شدید مخالفت یہاں تک کہ گالیوں تک کا سامنا کرنا پڑا۔ مسجدِ خضراء سمن آباد میں جمعہ کی خطابت (جو خالص اعزازی تھی) سے سبکدوش ہونا پڑا۔ لیکن انہیں جو کھلی آنکھوں سے نظر آ رہا تھا وہ اس پر قائم رہے----- اور پھر تاریخ نے ثابت کر دیا کہ ان کی بات سو فیصد درست تھی۔ بہرکیف اس تجربے کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ یہ ثابت ہو گیا کہ ''نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے حوالے سے قوم سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے تیار ہے۔ اس عنوان میں بڑی زبردست کشش ہے۔ تحریک چلانے والے قائدین اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ نظام کے حقیقی وفادار ہوں تو عوام ان کا بھرپور ساتھ دیں گے اور کوئی قوت اس عوامی دباؤ کے سامنے ٹھہر نہیں سکے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حقیقی معنوں میں نظام مصطفیٰ ؐ کی تحریک اس ملک میں ایک بار بھی نہیں چلائی گئی' ہاں بعض دینی issues پر دینی جماعتوں نے مل کر تحریکیں ضرور چلائی ہیں اور اللہ نے انہیں سُرخُرو بھی فرمایا۔ بلکہ ہماری دینی جماعتوں نے بعض مواقع پر بحالیٔ جمہوریت کی تحریک چلا کر اس میں بھی کامیابی حاصل کی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ میں یہ سمجھنے سے قطعی طور پر قاصر ہوں کہ ہم مل جل کر نظام مصطفیٰ ؐ کے قیام کے لیے تحریک چلانے سے کیونکر گریزاں ہیں' حالانکہ اللہ ربّ العزت اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفاداری کا یہ بنیادی اور لازمی تقاضا ہے۔ اب بھی ہمارے لیے موقع ہے کہ اللہ ربّ العزت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفاداری کے لازمی تقاضے کے طور پر

حقیقی معنوں میں ''نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی تحریک چلا کر ہم اللہ کی نگاہ میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

میں آخر میں اپنے اس موقف کی تائید میں ایک دلیل یا گواہی مزید پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اپریل ۲۰۱۰ء میں اکابر دیو بند کا ایک اہم اجلاس جامعہ اشرفیہ لاہور میں ہوا جو کئی دن تک جاری رہا۔ اس میں ملک کے دگرگوں حالات، مدارس کے حوالے سے حکومت کی پالیسی، خودکش دھماکوں کی روک تھام کیسے کی جائے، وغیرہ جیسے مسائل پر غور کیا گیا۔ پورے پاکستان سے مسلک دیو بند کے اکابر علماء اس میں شریک ہوئے۔

اس سہ روزہ اجلاس کے آخر میں گفتگو اور غور وخوض کا حاصل ایک متفقہ اعلامیہ ''متفقہ تشخیص'' کے عنوان سے ایک کتابچہ کی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس ''متفقہ اعلامیہ'' کے آغاز میں اس حقیقت کا کھلے لفظوں میں اظہار کیا گیا ہے کہ پاکستان میں جو بگاڑ، زوال اور انحطاط اور بدامنی ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے عطا کردہ اس ملک میں اللہ کے دین اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ نظام کو قائم اور غالب نہیں کیا۔ گویا میرے بیان کردہ موقف کی مکمل تائید۔

اگلے دو نکات بھی میری آج کی گفتگو کی صدفی صد تصدیق کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

۱) اس بات پر ہمارا ایمان غیر متزلزل ہے کہ اسلام ہی نے یہ ملک بنایا تھا اور اسلام ہی اسے بچا سکتا ہے، لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک میں اسلامی تعلیمات اور قوانین کو نافذ کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارا دینی فریضہ بھی ہے اور ملک کے آئین کا اہم ترین تقاضا بھی، اور اسی کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ملک میں انتہا پسندی کی تحریکیں اٹھی ہیں۔ اگر ہم نے اپنے اس مقصد وجود کی طرف واضح پیش قدمی کی ہوتی تو ملک اس وقت انتہا پسندی میں نہ ہوتا۔ لہٰذا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ پرامن ذرائع سے پوری نیک نیتی کے ساتھ ملک میں نفاذ شریعت کے اقدامات کیے جائیں۔

۲) تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے دوسرے مقاصد پر نفاذِ شریعت کے مطالبے کو اوّلیت دے کر حکومت پر دباؤ ڈالیں، اور اس غرض کے لیے مؤثر مگر پرامن جدوجہد کا اہتمام کریں، جبکہ عوام کا فرض ہے کہ جو جماعتیں اور ادارے اس مقصد کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، ان کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔

حضرات محترم! یہ بالکل وہی بات ہے جس کی دعوت والد محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ

گزشتہ ۳۷ برس سے دے رہے ہیں۔ گویا ع ''متفق گردید رائے بوعلی با رائے من!''
جگر مرادآبادی کا ایک شعر ذہن میں آتا ہے۔

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

میں اکابر دیوبند کے اس حقیقت پسندانہ اعلامیے پر' جو بہترین تشخیص اور بہترین قابل عمل لائحہ عمل پر مشتمل ہے' انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں ----- لیکن ''حیراں ہوں' دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں'' کے مِصداق شدید رنج وغم اس بات پر ہے کہ اس اعلامیہ کو مرتب ہوئے آج ساڑھے سات برس ہو چکے ہیں' لیکن اس پر عمل کے حوالے سے بدقسمتی سے ایک انچ کی پیش رفت بھی نظر نہیں آتی۔

اِک طرزِ تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اِک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے!

آخر میں' میں اپنی تلخ نوائی پر معافی کا خواست گار ہوں۔ غالب کا یہ شعر میرے جذبات کی بہتر ترجمانی کرتا ہے:

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف
آج پھر درد مرے دل میں سِوا ہوتا ہے!

مجھے یقین ہے کہ اگر مِلّی یک جہتی کونسل کا یہ پلیٹ فارم تمام دینی جماعتوں کو تحریک کے لیے یک جہت کرنے کا عزم کر لے تو' ان شاء اللہ' اصل مقصود یعنی غلبہ واقامت دین/ نظام مصطفی کا نفاذ یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ **اللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِھٰذا!**

پاکستان میں نفاذ اسلام کی تحریک چلانے کے حوالے سے ماحول بہت سے حوالوں سے نہایت سازگار ہے۔

(ا) ہمارا دستور ہماری پشت پر ہے' اس لیے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ اللہ کو حاکم اعلیٰ تسلیم کرنے کا اعلان ہے' بلکہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ کے مطابق ملک میں قرآن وسنت سے متصادم کوئی قانون سازی نہیں کی جاسکتی' جبکہ عملاً پورا نظام اللہ کی حاکمیت سے بغاوت پر مشتمل

ہے۔لہٰذا اللہ کی حاکمیت کے نظام کے لیے بھرپور احتجاجی تحریک چلانا ہمارا دستوری حق ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ دستور کی دھجیاں وہ بکھیر رہے ہیں جو اسلامی نظام کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

(۲) مسالک کے اختلاف کے باوجود ایک متفقہ دستوری دستاویز پر ملک میں موجود تمام مسالک کے چوٹی کے علماء وزعماء ۱۹۴۹ء میں متفق ہونے کا ثبوت پیش کر چکے ہیں ''۳۱ علماء کے ۲۲ نکات'' کی صورت میں۔

(۳) ملکی قوانین کے حوالے سے مسلکی اختلافات کا issue بھی ہمارے ملک میں نہایت خوش اسلوبی سے طے ہو چکا ہے۔اسلامی نظریاتی کونسل کا ادارہ ۱۹۶۲ء سے سرگرم عمل ہے اور وہ اپنا اصل کام یعنی ریاست کو چلانے کے حوالے سے انگریز کے بنائے ہوئے باطل قوانین کی جگہ متبادل اسلامی قوانین تجویز کرنا آج سے کم وبیش ۲۰ سال پہلے مکمل کر چکا ہے۔اس کے بعد تو محض سیاسی مفادات کی خاطر اس ادارے کو استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

اس کونسل کا خاص معاملہ یہ تھا کہ اس میں پاکستان میں موجود تمام مسالک کے اصحابِ علم وفضل کی نمائندگی شامل ہے۔اور نہایت خوش آئند بات یہ ہے کہ اس کونسل کی سفارشات کو ملک کے تمام مذہبی مسالک کے نمائندہ اہل علم کا اتفاق حاصل ہے۔یہ ادارہ ایک آئینی ادارہ ہے۔آئین کے مطابق اس کی سفارشات کا قومی اسمبلی میں پیش کیا جانا اور پھر منظوری کی صورت میں اسی کی سفارشات کے مطابق قانون سازی کرنا قومی اسمبلی کی بنیادی دستوری ذمہ داری ہے۔لیکن افسوس کہ اس ذمہ داری سے آج تک مجرمانہ غفلت برتی گئی ہے اور کونسل کی طرف سے پیش کردہ ہزاروں سفارشات آج کباڑ خانے کی زینت ہیں۔کونسل کی ان سفارشات کے مطابق قانون سازی کرنے کے نتیجے میں تمام ملکی وریاستی قوانین بسہولت اسلامی سانچے میں ڈھالے جاسکتے ہیں اور اس طرح نظامِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کی راہ ہموار ہوسکتی ہے---------گویا ؎

موسم اچھا' پانی وافر' مٹی بھی زرخیز!
جس نے پھر بھی کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان؟

موجودہ حالات میں

اسلامی انقلاب کا آخری مرحلہ

از قلم: انجینیر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ کہ اس وقت امت مسلمہ کی ایک قابل ذکر تعداد اسلام کو محض ''مذہب'' نہیں بلکہ ''دین'' سمجھتی ہے۔ ''مذہب'' انسان کی صرف انفرادی زندگی کے گوشوں یعنی عقائد' عبادات اور رسومات پر مشتمل ہے' جبکہ دین انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ انسان کی اجتماعی زندگی کے پہلوؤں یعنی سیاسی' معاشی اور معاشرتی معاملات کا احاطہ کرتا ہے۔ مزید برآں اب ایسے افراد کی بھی مناسب تعداد موجود ہے جو اسلام کے عطا کردہ نظامِ حیات کو غالب کرنے کی جدوجہد کو اپنا دینی فریضہ سمجھتی ہے۔ البتہ اسلامی انقلاب کے لیے طریق کار اور خاص طور پر اس کے آخری مرحلے کے بارے میں کافی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ انقلاب' انتخابات میں کامیابی حاصل کر کے برپا کیا جا سکتا ہے' بعض کے نزدیک یہ کام دعوت اور محض دعوت سے سرانجام دیا جا سکتا ہے اور کچھ اس کے لیے مسلح جدوجہد کو ضروری سمجھتے ہیں۔

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنی کتاب ''منہج انقلابِ نبویؐ'' میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے اسلامی انقلاب کا طریق کار اور اس کے مختلف مراحل بیان کیے ہیں۔ اسلامی انقلاب کے ابتدائی مراحل کے بارے میں تو کوئی اختلاف رائے موجود نہیں ہے' تاہم اس تحریر کے ذریعے اسلامی انقلاب کے آخری مرحلے کی قدرے وضاحت پیش نظر ہے۔

اسلامی انقلاب کا آخری مرحلہ ''مسلح تصادم''

اسلامی انقلاب کے آخری مرحلے کے لیے جب ہم قرآن حکیم' سنت نبویؐ اور تاریخ انسانی پر غور اور منطق کی روشنی میں سوچ بچار کرتے ہیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ''انقلاب کا آخری مرحلہ مسلح تصادم ہے''۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم' سنت نبویؐ' تاریخ انسانی اور منطق سے جو دلائل ہمیں ملتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) سورۃ الانفال (آیت ۳۹) میں اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

{وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ج}

''اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین کُل کا کُل اللہ کے لیے ہو جائے۔''

اس آیت میں اہل ایمان کو اُس وقت تک لڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے جب تک کہ کُل کا کُل نظامِ زندگی مکمل طور پر اللہ کے لیے نہ ہو جائے۔ گویا نظام کی تبدیلی کے لیے جنگ ناگزیر ہے۔

(۲) سورۃ الحدید (آیت ۲۵) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (25)}

''بے شک ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ اور ہم نے ان کے ساتھ نازل کیں کتابیں اور ترازو تاکہ لوگ قائم ہوں عدل پر، اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں شدید جنگ (کی صلاحیت) ہے اور لوگوں کے لیے دوسرے فائدے بھی ہیں اور تاکہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں رہتے ہوئے مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوت والا اور زبردست ہے۔''

اس آیت کا مضمون بھی از خود واضح ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتابیں اور میزان یعنی نظامِ عدل انبیاءِ کرام علیہم السلام کو اس لیے عطا فرمایا کہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہوں۔ اس کے لیے ایسے طبقات کی اکثریت پر محض وعظ ونصیحت کارگر نہ ہوگی جو باطل نظام میں دوسروں کے حقوق غصب کر کے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لہٰذا ان کے علاج کے لیے اللہ نے لوہا بھی اتارا ہے تاکہ ان سے جنگ کی جائے اور عدل وانصاف کے نظام کو بالفعل قائم کیا جائے۔

(۳) سورۃ الصّف (آیت ۹) میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اُس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھیجا ہی اس مقصد کے لیے ہے کہ وہ کُل نظامِ زندگی پر دینِ حق کو غالب

کریں۔اسی سورۃ کی آیت ۴ میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

{إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ}

''بے شک اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں صف در صف گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔''

دینِ حق کو غالب کرنے کے لیے مسلح تصادم ناگزیر ہے اور اللہ کو ایسے بندے پسند ہیں جو اس مقصد کے لیے مسلح تصادم میں پامردی کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔

(۴) صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے بعد اس کی امت میں اس کے حواریوں اور اصحاب نے اس کی سنت کو قائم نہ کیا ہو اور اس کے احکام کی پیروی نہ کی ہو۔ پھر ان کے جانشین ایسے لوگ بن جاتے ہیں جن کے قول اور فعل میں تضاد ہوتا ہے اور وہ ایسے کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا ہوتا۔پس جو ان کے خلاف ہاتھ (قوت) سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، جو ان کے خلاف زبان سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو ان کے خلاف دل سے جہاد کرے (یعنی دل میں انہیں برا سمجھے) وہ مؤمن ہے۔اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔''

اس حدیث میں اللہ اور اُس کے رسولوں کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف ہاتھ سے جہاد کو افضل ترین درجہ قرار دیا گیا ہے۔

(۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور آپؐ ہرگز یہ پسند نہیں کر سکتے تھے کہ اللہ کے بندوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچے۔لیکن ایسے ظالموں کا سر کچلنے کے لیے جنہوں نے نوعِ انسانی کو اپنا غلام بنا رکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی دعوت سے آگے بڑھ کر تلوار ہاتھ میں لینی پڑی۔اس راہ میں آپؐ کے انتہائی محبوب ساتھیوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، خود آپؐ کو زخم بھی آئے اور آپؐ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے۔

(۶) ماضی قریب میں روس، فرانس اور ایران میں جزوی طور پر انقلاب آئے لیکن ان سب کے لیے انقلابیوں کو مسلح تصادم کی راہ سے گزرنا پڑا۔ایران کا انقلاب اس اعتبار سے منفرد ہے

کہ یہاں مسلح تصادم یکطرفہ تھا۔ حکومت نے عوام کو کچلنے کے لیے ہتھیار استعمال کیے لیکن عوام کی طرف سے احتجاج پرامن اور منظم گھیراؤ کی صورت میں رہا۔

(۷) منطقی اعتبار سے بھی یہ بات واضح ہے کہ کوئی بھی طبقہ اپنے مفادات سے آسانی سے دستبردار نہیں ہوتا۔ ظالمانہ نظام میں ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جو بااختیار ہوتا ہے اور وہ دوسروں کے حقوق غصب کر کے عیاشی کر رہا ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی تحریک اس ظلم کو ختم کرنے کے لیے اٹھتی ہے تو یہ طبقہ اسے کچلنے کے لیے پوری قوت صرف کرتا ہے اور یوں مسلح تصادم کا مرحلہ ضرور آتا ہے۔

مسلح تصادم کے لیے مشکلات

اب تک کی بحث سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ انقلاب کا آخری مرحلہ مسلح تصادم ہے۔ البتہ موجودہ حالات میں مسلح تصادم کی راہ میں دو ایسی مشکلات ہیں جو دورِ نبویؐ میں نہیں تھیں:

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں باطل نظام کے چلانے والے اور محافظ کافر تھے' جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھا وہی مسلمان تھا اور جو بھی مخالف تھا وہ کافر تھا۔ جبکہ آج کے حالات میں تمام مسلمان ممالک میں جو بھی غلط نظام قائم ہے اس کے چلانے والے اور محافظ دونوں کلمہ گو مسلمان ہیں۔ ان میں سے بعض کو ان کے غلط کردار کی وجہ سے فاسق و فاجر تو کہا جا سکتا ہے لیکن دائرۂ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کلمہ گو مسلمانوں کے خلاف مسلح جدوجہد یعنی خروج کے لیے فقہاء نے جو سخت شرائط رکھی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس نظام کو بدلنے کے لیے جو افراد اٹھیں ان کی طاقت اور ان کے اثرات اتنے زیادہ ہو چکے ہوں کہ کامیابی یقینی نظر آ رہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تھوڑی سی طاقت کے ساتھ تصادم کا آغاز کر دیا جائے جس کا نتیجہ بدامنی اور ہلاکت کے سوا کچھ نہ نکلے۔ صاف ظاہر ہے کہ موجودہ دور میں اس شرط کا پورا کرنا آسان نہیں ہے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں جنگی مہارت اور ہتھیاروں کے اعتبار سے مسلمانوں اور کفار میں زیادہ فرق نہ ہوتا تھا۔ دونوں طرف لڑنے والوں کی جنگی مہارت یکساں ہوتی تھی اور ان کے ہتھیار بھی ایک جیسے تھے۔ گویا کمیت کا فرق تو تھا کیفیت کا فرق نہ تھا' جبکہ آج کے زمانے میں باطل نظام کی حفاظت کے لیے حکومت کے پاس ہر طرح کے وسائل اور لاکھوں

کی تعداد میں ایسی ہمہ وقت فوجیں (Standing Armies) ہیں جو جنگ کے لحاظ سے پوری طرح تربیت یافتہ، منظم اور جدید ترین اسلحہ سے لیس ہیں۔ دوسری طرف انقلاب کی جدوجہد کرنے والے عوام نہ اس طرح کی جنگی مہارت کے حامل ہیں اور نہ ہی جدید ہتھیار رکھتے ہیں۔ اس فرق کی وجہ سے مسلح تصادم میں کامیابی تقریباً ناممکن نظر آتی ہے۔ اس کی ایک واقعاتی مثال مالاکنڈ میں نفاذِ شریعت کی تحریک ہے۔ نفاذِ شریعت کے لیے تحریک کے مخلص کارکنوں نے ہتھیار اٹھائے لیکن حکومت نے علاقے کی ناکہ بندی کر کے جدید ہتھیاروں کے استعمال اور بعض علاقوں پر فضائی بمباری کے ذریعے سے تحریک کو کچل کے رکھ دیا۔

موجودہ حالات میں اسلامی انقلاب کا آخری مرحلہ
''پرامن اور غیر مسلح منظم احتجاج''

اب تک کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ:

(۱) اسلامی انقلاب کا آخری مرحلہ مسلح تصادم ہے۔

(۲) موجودہ حالات میں مسلح تصادم کا امکان یا اس کے ذریعے کامیابی قریباً ناممکن ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر موجودہ حالات میں اسلامی انقلاب کا آخری مرحلہ کیا ہوگا؟ موجودہ حالات نے جہاں مسلح تصادم کے مرحلے کو قریباً ناممکن بنا دیا ہے وہیں ایک متبادل صورت بھی فراہم کر دی ہے۔ آج کے دور میں جو بھی جمہوری آزادی ہر ملک میں دی جاتی ہے اس کی بِنا پر کسی غلط بات پر حکومت کے خلاف احتجاج کو شہریوں کا حق تسلیم کیا جاتا ہے اور اسے ریاست کے خلاف بغاوت تصور نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا آج کے دور میں اسلامی انقلاب کا آخری مرحلہ 'پرامن اور غیر مسلح منظم احتجاج کے ذریعے طے کیا جا سکتا ہے۔ اس احتجاج میں کسی ایسے منکر کو لے کر اُٹھنا ضروری ہوگا جس کا خلافِ شرع ہونا تمام دینی طبقات کے نزدیک مُسلّم ہو۔ مثال کے طور پر ''سودی نظام'' وغیرہ۔ ایسے منکر کے خلاف اقدام، ریاست کے اہم اداروں کا 'پرامن گھیراؤ' دھرنا دے کر بیٹھنا یا سول نافرمانی کی تحریک ہوسکتا ہے۔ ان پرامن اور منظم مظاہروں کے ذریعے سے حکومتِ وقت کو مجبور کیا جائے کہ وہ اس منکر کا قلع قمع کرے اور اللہ کی حدود کو نافذ کرے۔

یہ طریقہ حکومت کے خلاف بغاوت کا نہیں اور نہ ہی قوم کو خانہ جنگی میں مبتلا کرنے کا ہے۔ اسی طرح اس طریقہ میں اقتدار کی طلب نہیں، بلکہ مسلمان حکمرانوں سے مسلم معاشرے میں دین کو

نافذ کرنے کا مطالبہ ہے۔ اگر حکومت یہ مطالبہ نہیں مانتی تو پھر ہم میدان میں ہیں‘ گولیوں کے لیے ہمارے سینے کھلے ہیں اور لاٹھیوں کے لیے ہمارے سر حاضر ہیں۔ ہم قید و بند کی آزمائش برداشت کرنے کو تیار ہیں‘ لیکن پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ ہم ان صحابہ کرام j کے اُسوہ پر عمل کریں گے جنہوں نے مکی دور میں ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں‘ لیکن جواب میں کوئی اقدام نہ کرتے ہوئے اپنے مؤقف پر ڈٹ کر صبر کا مظاہرہ کیا۔

آخری مرحلے کے آغاز کے لیے شرائط

البتہ اس طرح کے پرامن احتجاج سے قبل ضروری ہے کہ:

(۱) انقلابی جماعت نے اپنے معاشرے میں دعوت کا حق ادا کیا ہو۔ بڑی وضاحت کے ساتھ اسلامی انقلاب کے لیے جدوجہد کی فرضیت‘ اسلامی انقلاب کے برپا کرنے کی اہمیت اور اس کی برکات لوگوں کے سامنے پیش کی ہوں۔ ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات و اعتراضات کے جوابات دیے ہوں۔

(۲) انقلابی جماعت میں شامل کارکنان نے اپنے اپنے دائرہ کار میں شریعت کے احکامات پر امکانی حد تک عمل کر کے سیرت و کردار کا لوہا منوایا ہو۔ عوام الناس ان کے قول و فعل کی درستی کے قائل ہوں۔ انہوں نے تزکیہ کے مراحل طے کیے ہوں‘ ان کا مطلوب و مقصود اللہ کی رضا کا حصول اور نجاتِ اخروی ہو اور ان کے دل راہِ حق میں جان دینے کے لیے بے چین ہوں۔

(۳) انقلابی جماعت ایک شخص کی قیادت میں حکم سننے اور ماننے کے اصول پر پوری طرح سے منظم ہو‘ مختلف درجات پر تربیت یافتہ افراد نظم کے ذمہ دار ہوں اور تمام کارکنان نظم کے خوگر ہونے کا ثبوت دے چکے ہوں۔

دعوت‘ تنظیم اور تربیت کے مندرجہ بالا مراحل طے کر کے ہی انقلابی جماعت کو انقلاب کے آخری مرحلے یعنی میدان میں آکر پرامن احتجاج کا آغاز کرنا چاہیے۔

آخری مرحلے کی اہم شرائط

انقلاب کے آخری مرحلے کے سلسلہ میں دو باتوں کا خاص اہتمام کرنا ہوگا:

(۱) احتجاج کا موضوع کسی ایسے منکر کے خلاف جدوجہد کو بنانا ہوگا جو مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ مثلاً عریانی و فحاشی کی ترویج، سود، جوا وغیرہ۔

(۲) اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ احتجاج مکمل طور پر پرامن ہو' یعنی اپنی طرف سے ہاتھ بالکل نہ اٹھایا جائے' کسی قسم کی توڑ پھوڑ نہ کی جائے، کسی شے کو آگ نہ لگائی جائے۔ جس طرح مکی دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر قسم کے ظلم و تشدد کو پامردی سے برداشت کیا اور اپنی طرف سے جوابی کارروائی تو درکنار مدافعت تک نہیں کی' وہی طرزِ عمل اس اقدام یعنی مظاہروں' گھیراؤ وغیرہ کے معاملے میں اس انقلابی جماعت کو اختیار کرنا ہوگا۔ اگر کچھ شر پسند لوگ بدامنی پر اتر آئیں تو انقلابی جماعت کی تنظیمی طاقت اتنی مضبوط ہو کہ ان کو قابو کر کے حکومت کے حوالے کر دے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہیں۔

ماضی قریب میں اس طریق کار کی کامیابی کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں جماعت اسلامی نے اسی طریق کار کو اختیار کرتے ہوئے مطالبہ دستورِ اسلامی کی تحریک چلائی۔ چونکہ اس وقت تک جماعت اسلامی نے انتخابی سیاست کے میدان میں قدم نہیں رکھا تھا اس لیے دیگر دینی جماعتوں نے بھی اس تحریک کا بھرپور ساتھ دیا' چنانچہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے لیے اسی طریق کار کو اختیار کیا گیا اور کامیابی حاصل کی گئی۔ یاد رہے کہ اس تحریک کی قیادت ایک ایسی شخصیت کر رہی تھی جو معروف معنوں میں سیاسی نہیں تھی۔ ۱۹۸۰ء میں پاکستان میں اہل تشیع نے زکوٰۃ آرڈیننس کے تحت حکومت کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور آرڈیننس واپس لینے کا مطالبہ کیا۔ حکومت کے انکار پر انہوں نے اسلام آباد میں قصر صدارت کا پرامن گھیراؤ کیا اور مطالبہ کی منظوری تک دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔ حکومت کو بالآخر گھٹنے ٹیکنے پڑے اور آرڈیننس میں ترمیم کرنی پڑی۔ ایران میں شاہ کے خلاف بھی اہل تشیع نے اسی انداز سے احتجاج کیا۔ فوج نے گولی چلائی اور ہزاروں مظاہرین مارے گئے لیکن احتجاج جاری رہا۔ آخر کار فوج نے اپنے ہی ملک کے عوام پر مزید گولیاں چلانے سے انکار کر دیا اور مظاہرین کو کامیابی حاصل ہوئی۔

ممکنہ نتائج

پرامن اور منظم احتجاج کے تین ممکنہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں:

(۱) حکومت ان مظاہروں کے نتیجے میں پسپائی اختیار کرے اور منکرات کے خاتمے اور حدود اللہ کے نفاذ کا آغاز کر دے۔ اس طرح انقلابی جماعت ایک ایک منکر کو ختم کروا کر حدود

اللہ کا نفاذ کرواتی رہے گی اور پورا نظام درست ہونے تک یہ جدوجہد جاری رہے گی۔

(۲) حکومت انقلابی تحریک کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لے اور اپنی بقاء اور مفادات کے تحفظ کے لیے تحریک کو مکمل طور پر کچلنے کا فیصلہ کرے۔ اس صورت میں حکومت پر قابض مراعات یافتہ طبقات یعنی سرمایہ دار اور جاگیردار ریاست کی پولیس اور فوج کو اس تحریک کو کچلنے کے لیے بے دریغ استعمال کریں گے۔ لاٹھیاں برسائی جائیں گی، آنسو گیس کے شیل پھینکے جائیں گے، گولیوں کی بوچھاڑ آئے گی اور گرفتاریاں ہوں گی۔ اگر لوگ اللہ کی راہ میں قربانیاں حتیٰ کہ جان دینے پر تیار ہوں اور ثابت قدمی سے میدان میں ڈٹے رہیں تو پولیس کتنوں کو گرفتار کرے گی اور کتنوں کو شہید کرے گی؟ بالآخر پولیس اور فوج جواب دے دے گی کہ یہ مظاہرین ہمارے ہی ہم مذہب اور ہم وطن ہیں، یہ کسی ذاتی غرض کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کے نفاذ کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے نکلے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکومت کا تختہ الٹ جائے گا اور انقلابی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔ ان شاء اللہ العزیز! ماضی قریب میں اس کی ایک مثال موجود ہے۔ ۱۹۷۷ء میں نظامِ مصطفی ﷺ کی تحریک کے دوران پاکستانی فوج نے نہتے عوام پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن اس وقت چونکہ کوئی ایک منظم جماعت اقتدار سنبھالنے والی موجود نہ تھی لہٰذا فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

(۳) اگر حکومتِ وقت اس تحریک کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے، تو جن لوگوں نے اس راہ میں جانیں دی ہوں گی ان کی قربانیاں ہرگز ضائع نہیں ہوں گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اجرِ عظیم اور فوزِ کبیر سے نوازے جائیں گے۔ (ان شاء اللہ!)

ہم نظام کو بالفعل بدلنے کے مکلف یعنی ذمہ دار نہیں ہیں، البتہ اس کو بدلنے کی جدوجہد ہم پر فرض ہے۔ مزید برآں انہی جاں نثاروں اور سرفروشوں کے خون اور ہڈیوں کی کھاد سے ان شاء اللہ جلد یا بدیر کوئی نئی انقلابی اسلامی تحریک ابھرے گی جو طاغوتی، استحصالی اور جابرانہ نظام کو للکارے گی اور اس طرح وہ وقت آ کر رہے گا جس کی خبر الصادق والمصدوق ﷺ نے دی ہے کہ پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا دین اسی طرح غالب ہو کر رہے گا جس طرح آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں جزیرہ نمائے عرب پر غالب ہوا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مستقل سنت : دعوت دین

انجینئر نعمان اختر

{قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ} (یوسف)

{يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا} (الاحزاب)

☆ محترم رفقاء! اگر میں اپنے موضوع کی تمہید ایک سوال سے باندھوں کہ وہ کیا عمل ہے جو فریضۂ رسالت بھی ہے، خیرِ امت کی نشانی بھی، عظیم خسارے سے بچنے کی شرط لازم بھی، دنیوی عذاب سے بچنے کا ذریعہ بھی، اُمتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مستقل اور مؤکد ترین سنت بھی، تو جواب ایک ہی ہوگا کہ دعوتِ دین کی سنت۔ ان شاء اللہ تذکیر و یاددہانی کے طور پر اس موضوع کی اہمیت، فضیلت، آدابِ دعوت، اس کام کے دوران آنے والی مشکلات اور تنظیم کی اس فریضہ کی ادائیگی میں معاونت کو سمجھیں گے۔

☆ اُمت کی زندگی میں دعوتِ دین کے کام کی وہی اہمیت ہے جو انسانی جسم میں دل کی حیثیت ہے۔ انسانی جسم اسی وقت تک کارآمد ہے جب تک کہ اس میں دھڑکنے والا دل موجود ہو، اگر دل دھڑکنا بند کر دے تو پھر انسانی جسم مٹی کا ڈھیر ہے۔

اہمیت: (۱۱ نکات)

(۱) قرآن حکیم نے دعوت دین کو عظیم خسارے سے بچنے کی لازمی شرط قرار دیا (العصر)

(۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا راستہ اور مستقل عمل (۲۳ برس) قرار دیا۔ (یوسف: ۱۰۸)

(۳) ختم نبوت کا تقاضا بھی ہے: فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصافِ حمیدہ میں سے ایک وصف (الاحزاب: ۴۵۔۴۶)۔۔ حقیقت

یہ ہے کہ اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے انسان کے لیے اس مرتبے سے بلند تر کوئی مرتبہ نہیں کہ وہ داعیاً الی اللہ اور سراجاً منیراً سے کسبِ نور کر کے خود بھی ہدایت کا ایک چھوٹا چراغ بن جائے۔

(۵) اہل ایمان کی دوستی کا مظہر بھی ٹھہرایا۔ (التوبۃ:۷۱)

{وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ}

(۶) دعوت دین اللہ کے عذاب سے بچنے اور دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ ہے (ترمذی)

''لوگو! نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو' ورنہ اللہ تم پر عذاب نازل کریگا اور تمہاری دعائیں قبول نہ کریگا۔''

(۷) دعوت دین کے ذریعے اسلام کو بڑی کارآمد شخصیات ملتی ہیں۔ یہ دعوت کا ثمرہ تھا کہ ابوبکرؓ، صدیق کے درجے کو پہنچے' حضرت عمر فاروقؓ قرار پائے' حضرت عثمانؓ کو غنی کا لقب حاصل ہوا، حضرت حمزہؓ، اسد اللہ و اسد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئے' خالد بن ولید' ؓ سیف من سیوف اللہ کے لقب سے سرفراز ہوئے' حضرت مصعب بن عمیرؓ' المقری کے نام سے مشہور ہوئے۔

(۸) محبت رسول کا اصل تقاضا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت دعوت کا اتباع ہے۔

یہی ابوبکر صدیقؓ ہیں جن کی دعوت سے چھ جلیل القدر وہ صحابہ ایمان لائے جن کو دنیا میں جنت کی بشارت ملی۔

یہی مصعب بن عمیرؓ ہیں جن کی ایک سال کی محنت دعوت سے ۷۵ افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

(۹) دعوت دین کے بغیر انفرادی نیکی قابل قبول نہیں بلکہ قابل سزا جرم ہے (بیہقی)! بستی کو الٹ دو۔۔۔غیرت وحمیت کا تقاضا

(۱۰) دعوت دین چھوڑنے سے امت وحی کی برکات سے محروم کر دی جاتی ہے (ترمذی)!

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت دنیا کی قدر بڑھا لے گی تو اس سے اسلام کی ہیبت چھین لی جائے گی اور جب امت امر بالمعروف ونہی عن المنکر چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم

ہو جائے گی اور جب امت آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا شروع کر دے تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔''

(۱۱) دعوت دین امت کو بربادی سے بچانے کا ذریعہ ہے (بخاری)۔
کشتی کی مثال۔۔۔۔اصحاب سبت کا واقعہ

فضیلت (قرآن حکیم سے)

☆ بہترین بات (حم السجدہ: ۳۳)

☆ بہترین امت کی نشانی (آل عمران: ۱۱۰)

☆ معتدل امت کی نشانی (البقرۃ: ۱۴۳)

فضیلت (احادیث مبارکہ سے) (۸ نکات)

(۱) داعی دین جو خیر کی تعلیم دینے والا ہوتا ہے لہذا اللہ، فرشتے اور تمام مخلوقات کی دعا کا مستحق بن جاتا ہے! (ترمذی)

''بے شک اللہ، فرشتے اور زمین و آسمان کی تمام مخلوقات حتیٰ کہ کسی چٹان میں موجود تمام چیونٹیاں اور سمندر میں مچھلیاں لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کے لیے دعا کرتے ہیں۔''

(۲) داعی دین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیمتی دعا کا بھی مستحق ہوتا ہے! (ترمذی۔ابن ماجہ)
''اللہ اس بندے کو سرسبز و شاداب رکھے جو مجھ سے کوئی بات سنے اور اسی طرح دوسروں تک پہنچا دے۔''

(۳) داعی دین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاون و مددگار ہونے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ (بخاری)

بلغوا عنی ولو اٰیة

(۴) داعی دین کے لیے بہترین اجر! (مسلم)
''جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی اس کے لیے اس ہدایت کی پیروی کرنے والے کے برابر اجر ہے بغیر عمل کرنے والے کے عمل میں کمی کیے ہوئے۔''

(۵) دعوت دین ایک قیمتی دولت! (ترمذی)

((خیر لک من حمر النعم))

''سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

(٦) دعوت دین کے دوران جسم پر لگنے والا غبار جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ!(طبرانی' احمد)

''جس کے جسم میں اللہ کے راستے کا غبار داخل ہو جائے اس پر جہنم کی آگ کو اللہ حرام فرما دیں گے۔''

(٧) داعیِ قرآن کے لیے ہدایت کی بشارت ہے!(ترمذی)

من دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم

(٨) داعیِ دین اللہ کی رضا و خوشنودی کا مستحق!(ترمذی)

''آدمی کوئی کلمۂ خیر اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اور اُس کی قدر و منزلت کا اُسے علم نہیں ہوتا لیکن اللہ اُس کے سبب اُس کے لیے اپنی رضا و خوشنودی اُس دن تک کے لیے لازم کر لیتا ہے جب کہ وہ اُس سے ملاقات کرے گا۔''

دعوت دین کی اہمیت تنظیمی لٹریچر میں

☆ قرارداد تاسیس: عامۃ الناس کو دین کی دعوت و تبلیغ کے ضمن میں اہم ترین کام:

...... جاہلیت قدیمہ کے باطل عقائد و رسوم اور دورِ جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات کا مدلل ابطال کیا جائے

...... حیات انسانی کے مختلف پہلوؤں کے لیے کتاب و سنت کی ہدایت و رہنمائی کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے۔

...... دعوت کا اصل محرک: ہمدردی اور نصح و خیر خواہی کا جذبہ (الدین النصیحۃ)

...... جس سے جتنی قربت اور محبت داعی کو ہو دعوت میں اسی قدر اسے مقدم رکھا جائے۔ (الاقرب فالاقرب)

...... کتابچہ دعوت الی اللہ۔۔فرائض دینی و مطالبات دین کی بحث میں

...... نظام دعوت۔۔۔حلقہ قرآنی' رجوع الی القرآن کورسز' دورۂ ترجمہ قرآن۔۔۔آگاہی منکرات مہمات

دعوت دین کے دوران آنے والی مشکلات:

(۱) زبانی مخالفت۔۔۔نفسیاتی طور پر بلیک میل کر کے۔۔۔جب لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور آپ جا کر کہتے ہیں کہ داڑھی رکھ لو اور پردہ کر لو؟ بھوکے کو تو روٹی چاہیئے اور بس!۔۔۔رحمی رشتے منقطع، قبیلہ ناراض، دوست مذاق اڑائیں گے، خدائی فوج دار۔۔۔ساحر، کذاب، شاعر، مجنون۔

☆ اس ماحول میں داعی دین کو بیدار مغز بھی ہونا چاہیئے جو اس قسم کی چالاکیوں کا مسکت جواب دے سکے اور متحمل مزاج ہونا بھی ضروری ہے جو ایسی باتیں سن کر طیش میں نہ آئے بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر موثر انداز میں اپنی بات پہنچا سکے۔

(۲) جسمانی تکلیف۔۔عقبہ بن ابی معیط کا آپ ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر کھینچنا۔۔۔حضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں ام کلثومؓ و رقیہؓ کو طلاق دی گئی۔۔۔طائف کا سفر۔۔آپ ﷺ کی دعا۔۔آپ ﷺ کس قدر دل فگار تھے اور آپ ﷺ کے احساسات پر حزن والم اور غم وافسوس کا کس قدر غلبہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کو پڑھتے ہوئے کلیجہ شق ہوتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''اے اللہ! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بےبسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بےقدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یاارحم الراحمین۔تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ سختی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ (**ان لم یکن بک علی غضب فلَا ابالیا**) اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں (داعی دین اللہ کی رضا کے لیے اس راہ میں آنے والی ساری تکالیف جھیل جاتا ہے) لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے، یا تیرا اعتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔''۔۔۔ہجرت بھی کرنی پڑی۔۔۔۔حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ

سے فرمایا کہ اگر تم مجھے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت دیکھتیں جب ہم غار ثور میں چڑھے تھے (تو عجب منظر دیکھتیں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں قدموں سے خون ٹپک رہا تھا (ننگے پاؤں چلنے کی وجہ سے) اور میرے دونوں پاؤں سُن ہو کر پتھرا گئے تھے۔۔۔۔حضرت ابو بکرؓ کو مشرکین نے خوب مارا بھی اور پاؤں تلے روندا بھی۔عتبہ بن ربیعہ قریب آ کر تلوے والے جوتوں کو ٹیڑھا کر کے چہرے پر مارتا اور پیٹ پر کودتا بھی تھا۔دن کے آخر میں ہوش آیا تو صرف اتنا پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا کیفیت ہے؟

آدابِ دعوت:

☆نیت میں اخلاص:

{وَمَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ} (الشعراء)

☆ اصل شرط: اللہ کی ربوبیت پر اعتماد: دعوت الی اللہ کے منصب پر وہی فائز ہوسکتا ہے جو خدا کی ربوبیت پر پوری طرح مطمئن و قائم ہو۔

☆ ذمہ داری کا احساس:(فکیف اذا جئنا من کل امة بشھید و جئنا بک علی ھولاء شھیدا)

☆ عزمِ مصمّم: میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند

☆ اصل محرک: انسانی ہمدردی

☆ تدریج: الاقرب فالاقرب (نفس سے آغاز)

☆ ہدف: انفرادی اعتبار سے تزکیہ نفس اور اجتماعی اعتبار سے اقامت دین کی جدوجہد

☆ ذریعہ: قرآن حکیم۔۔۔

گر تُو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

(اپنی حیاتِ نو کی بنیاد ہی قرآن پر قائم کرنی ہوگی)

☆ دعوت و عمل کا تعلق: بانی محترم کے بقول ”حقیقت میں عمل صالح ہی وہ مشکل گھاٹی ہے جس

سے جی چرا کر لوگوں نے یہ تقسیم کار کی ہے کہ کچھ لوگ اس کی قید سے آزاد ہوں اور حلال و حرام سب ذرائع سے دولت کما کر کچھ لوگوں کو پالیں جو دین کی تبلیغ کا کام کریں۔ ذہانت کا تو یہ یقیناً ایک شاہکار ہے! لیکن حقیقت یہ ہے کہ دین کے خلاف اس شریفانہ معاہدے سے بڑی سازش شاید کوئی نہ ہو' (از کتاب ''دعوت الی اللہ)

- ☆ دعوتی میدان کے دو ہتھیار: علم اور صبر
- ☆ داعیانہ تڑپ: دعوت دین Part Time Job نہیں بلکہ مسلسل عمل کا نام ہے' مکہ میں کوئی گھر' گلی چوک' چوراہا نہیں ہوگا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت نہ دی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بازاروں میں اور گھروں میں جا جا کر دعوت دی۔ کوئی کاروباری مرکز یا مذہبی اجتماع ایسا نہ ہوگا کہ جس میں آپ تشریف نہ لے گئے ہوں۔ شدید مخالفانہ ماحول میں حج کے موقع پر منیٰ کے میدان میں ایک ایک خیمے میں جا کر دعوت دی۔۔۔۔ یہ تھا دعوت کا جنون۔۔۔ (دو پرندوں کی مثال)
- ☆ وہاں اللہ کے رسول دشمنوں کو جا کر دین کی دعوت اور ان کے لیے ہدایت کی دعا کر رہے ہیں' سوچنے کی بات ہے کہ کیا آج ہمارے ہاتھ کبھی اپنوں کے لیے بھی اٹھے ہیں؟ کیا ہم نے اپنوں کے لیے دین کی دعوت دینے کا کوئی بندوبست کیا ہے؟
- ☆ پھر صحابہ کی زندگی کا جائزہ لیں۔۔۔ یہ انہی کی قربانیوں کا اعجاز تھا کہ جزیرہ نما عرب سے پھوٹنے والی دعوت نے یکا یک پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس عظیم مقصد کے لیے ہر اس چیز کو قربان کر دیا جو آج ہمیں بے حد عزیز ہیں۔
- ☆ رفقاء! غور طلب بات ہے کہ صحابہ بھی اہل و عیال اور کنبے قبیلے والے تھے' صحابہؓ کے بھی تجارت و کاروبار تھے' صحابہؓ کی بھی دوستیاں اور تعلقات تھے۔ کیا ان میں سے کوئی چیز بھی اس عظیم مقصد میں رکاوٹ بنی؟
- ☆ معاشرے میں دو ہی دعوتیں ہیں: دعوت الی النار یا دعوت الی الجنۃ

{أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ} (البقرۃ: ۲۲۱)

{قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ} (یوسف: ۳۳)

☆ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا مشن نہ بھولیں۔ فکر کو مضبوط کریں۔ اس تناور درخت کے محافظ بنیں جس کا پودا بانیٔ محترم نے لگایا تھا۔ مثال بڑی پیاری دی کسی نے کہ ایک رویہ یہ ہے کہ درخت کے نیچے آکر بیٹھا' سایہ لیا' پھل کھایا' کپڑے جھاڑے اور چل دیئے۔ مڑ کے بھی نہیں دیکھا۔۔۔۔ دوسرا رویہ یہ ہے کہ سایہ لیا' پھل کھایا اور کلھاڑا لے کر درخت کو کاٹنا شروع کر دیا۔۔۔ تیسرا رویہ: سایہ اور پھل سے مستفید ہوا اور جا کر دوسروں کو اس درخت کی اہمیت سے آگاہ کیا۔۔ چوتھا رویہ: درخت کا سایہ لیتے ہیں' پھل کھاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اس درخت کی حفاظت کرنی چاہیئے' اس لیے کہ جب یہ درخت مجھے سایہ اور پھل دے رہا ہے تو یہ دوسروں کو بھی دے گا۔

نامساعد حالات سے مایوس ہو کر وقتی اُبال اور عجلت پسندی سے بچیں۔ اس ظلمت شب میں ثابت قدم رہیں۔ امتحانات سے گھبرائیں نہیں۔ بقول رئیس امروہوی

وہ وقت آیا کہ ہم کو قدرت ہماری سعی و عمل کا پھل دے
بتا رہی ہے یہ ظلمت شب کہ صبح نزدیک آ رہی ہے
ابھی ہیں کچھ امتحاں باقی' فلاکتوں کے نشان باقی
قدم نہ پیچھے ہٹیں کہ قسمت ابھی ہمیں آزما رہی ہے
سیاہیوں سے حزیں نہ ہونا' غموں سے اندوہ گیں نہ ہونا
انہی کے پردے میں زندگی کی نئی سحر جگمگا رہی ہے
رئیس اہل نظر سے کہہ دو کہ آزمائش سے جی نہ ہاریں
جسے سمجھتے تھے آزمائش وہی تو بگڑی بنا رہی ہے!

اللہ مجھے اور ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مستقل سنت کو اپنا کر جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین!

حسن انتخاب ...

تبلیغ کس لیے ؟

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی معرکۃ الآرا تصنیف

''دعوتِ دین اور اس کا طریق کار'' کا ایک اہم باب

جس سے بجا طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خلافت کے ادارے کے قیام کیلیئے تن من دھن سے جدوجہد کرنا ہر مسلمان کا اہم ترین دینی فریضہ ہے !

انبیاءؑ کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اندر نیکی اور بدی کے پہچاننے کی قابلیت اور نیکی کے اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کی خواہش ودیعت کر دی ہے۔ اس پہلو سے انسان ایک اعلیٰ خلقت اور ایک بلند فطرت لے کر دنیا میں آیا ہے اور اس بات کا اہل ہے کہ اپنی سمجھ سے نیکی کو پسند اور بدی کو ناپسند کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں انعام کا مستحق ہو' اور اگر اپنی فطرت کے خلاف خیر کی جگہ شر کا راستہ اختیار کرے تو فاطر کی طرف سے اپنی اس خلافِ فطرت روش پر سزا پائے۔ لیکن اگر ایک طرف اس کی فطرت میں یہ پہلو خوبی اور کمال کا ہے تو دوسری طرف بعض اعتبارات میں خلا اور نقص بھی ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نہ دنیا میں انسان کی ہدایت وضلالت کے معاملہ کو تنہا اس کی فطرت پر چھوڑا نہ آخرت میں اس کو جزاء وسزا دینے کے لیے اس فطری رہنمائی کو کافی قرار دیا۔ بلکہ فطرت کے مقتضیات اور اس کی مخفی قابلیتوں کو آشکارا کرنے اور خلق پر اپنی حجت تمام کرنے کے لیے اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا تا کہ قیامت کے دن لوگ یہ عذر نہ کر سکیں کہ ان کو نیکی اور سچائی کا راستہ معلوم نہیں تھا' اس وجہ سے وہ گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے رہے۔ اس حقیقت کو قرآنِ مجید کی ان آیتوں میں واضح کیا گیا ہے:

{رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ م بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا} (النساء)

''(اللہ نے) رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ہوشیار کرنے والے بنا کر بھیجا

تا کہ ان رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ اللہ غالب اور حکیم ہے۔''

{يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ عَلَىٰ فَتۡرَةٖ مِّنَ ٱلرُّسُلِ أَن تَقُولُواْ مَا جَآءَنَا مِنۢ بَشِيرٖ وَلَا نَذِيرٖۖ فَقَدۡ جَآءَكُم بَشِيرٞ وَنَذِيرٞۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ قَدِيرٞ} (المائدة)

''اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول' رسولوں کے ایک وقفے کے بعد' تمہارے لیے دین کو واضح کرتا ہوا آگیا ہے' مبادا تم کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا' ہوشیار کرنے والا تو آیا ہی نہیں۔ دیکھ لو' ایک بشیر و نذیر تمہارے پاس آگیا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

انبیاءؑ کے باب میں قانونِ الٰہی

اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے ہادی اور رسول بھیجے اور محض اس لیے کہ لوگوں پر حق پوری طرح آشکارا ہو جائے' کج روی اور گمراہی پر باقی رہنے کے لیے لوگوں کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ انبیاء کے بارے میں قانونِ الٰہی یہ رہا ہے کہ وہ سب کے سب بلا استثناء انسانوں میں سے آئے' فرشتوں یا جنوں میں سے نہیں آئے' تا کہ انسانوں پر انسانی فطرت کے تقاضے انسانوں ہی کے ذریعہ سے واضح کیے جائیں اور لوگوں کے لیے یہ کہنے کا موقع باقی نہ رہے کہ انسان کے لیے کسی غیر انسان کا علم و عمل کیسے نمونہ کا کام دے سکتا ہے۔ اسی طرح بعض مستثنیٰ مثالوں کے سوا' ہر قوم کے اندر اللہ تعالیٰ نے اسی قوم کے اندر سے رسول بھیجے تا کہ قومی اجنبیت لوگوں کے لیے قبولِ حق میں مانع نہ ہو۔ علیٰ ہٰذا القیاس' ہر قوم کے لوگوں پر اللہ کے رسولوں نے انہی کی زبان میں حق کی تبلیغ کی تا کہ لوگوں پر حق اچھی طرح واضح ہو سکے اور زبان بھی صاف ستھری' اینچ پیچ سے بالکل پاک اور سب کے فہم سے قریب تر اور دلنشین استعمال کی۔ پھر اللہ کے ان رسولوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ لوگوں کو ایک مرتبہ حق کی طرف پکار دیا ہو' بلکہ اپنی پوری پوری زندگیاں اسی مقصد میں لگا دیں اور جن باتوں کی دوسروں کو دعوت دی ان کو خود بھی کر کے دکھا دیا اور ان کے ساتھیوں نے بھی اپنی عملی زندگی میں ان کا مظاہرہ کیا۔ یہ سارا اہتمام محض اس غرض کے

لیے کیا گیا کہ خلق کو خالق کی رضا حاصل کرنے اور دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے جو کچھ جاننا چاہیے اس کے بتانے میں کسی پہلو سے کوئی کسر نہ رہ جائے اور لوگ قیامت کے دن اپنی شرارتوں اور بدعملیوں کا الزام اللہ سبحانہٗ تعالیٰ پر نہ ڈال سکیں۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت

جب تک دنیا نے تمدنی و اجتماعی زندگی کے وہ وسائل نہیں پیدا کر لیے جو ساری دنیا کو ایک داعیٔ حق کی دعوت پر جمع کرنے کے لیے ضروری تھے، اُس وقت تک اللہ تعالیٰ نے الگ الگ قوموں کے اندر رسولوں کا بھیجنا جاری رکھا۔ لیکن جب انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم و تربیت سے قوموں کا اخلاقی و اجتماعی شعور اتنا بیدار ہو گیا کہ وہ ایک عالمگیر نظامِ عدل کے تحت زندگی بسر کر سکیں اور ساتھ ہی دنیا کے مادی وسائل اجتماع و تمدن نے بھی اس حد تک ترقی کر لی کہ ایک ہادی کا پیغامِ ہدایت دنیا کے ہر گوشے میں بسہولت پہنچ سکے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ وہ خاتم الانبیاء ''محمد'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھیجے اور ان کے ذریعے سے لوگوں کو وہ مکمل نظامِ زندگی عنایت فرمائے جو تمام بنی نوعِ انسان کے مزاج اور ان کے حالات و ضروریات کے بالکل مطابق ہو۔ یہی خدائی نظامِ زندگی ہے جس کو ہم اسلام کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ اپنی روح کے اعتبار سے وہی دین ہے جس کو تمام انبیاءؑ لے کر آئے۔ صرف بعض اعتبارات سے یہ ان سے مختلف ہے۔ پہلے انبیاءؑ نے عقائد کی تعلیم اپنی قوموں کی استعداد کے لحاظ سے دی تھی، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عقائد کی تعلیم اس معیارِ فہم کے لحاظ سے دی جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کو عطا فرمایا ہے۔ دوسرے انبیاء نے جن قوانین کی تعلیم دی ان میں ان کی قوموں کے خاص مزاج اور ان کے خاص خاص امراض کی بھی رعایت تھی، لیکن اسلام کے قوانین میں کسی خاص قومی اور جماعتی مزاج و رجحان کے لحاظ کی بجائے صرف مزاجِ انسانی کا لحاظ ہے۔ دوسرے انبیاء کو جو نظامِ زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا وہ صرف ان کی قوموں کی ضروریات کے اعتبار سے تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ سے جو نظامِ زندگی دنیا کو ملا وہ صرف کسی خاص قوم ہی کی ضروریات کو پورا نہیں کرتا، بلکہ بنی نوعِ انسان کی تمام انفرادی و اجتماعی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے دو پہلو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر چونکہ تمام عالم کی ہدایت و رہنمائی اور تمام مخلوق پر اتمامِ حجت کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں تھا' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث فرمایا: ایک بعثتِ خاص' دوسری بعثتِ عام۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت خاص اہل عرب کی طرف تھی اور اہل عرب کے ساتھ اسی خاص نسبت کی وجہ سے آپ کو نبی اُمی یا نبی عربی کہا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو وحی نازل ہوئی اس کی زبان بھی عربی ہوئی۔ اس بعثت کی ذمہ داریاں --- یعنی تبلیغ اور اتمامِ حجت --- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے براہِ راست انجام دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت عام تمام دنیا کی طرف ہے۔ اس بعثت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک اُمت عطا فرمائی اور اس اُمت کو یہ حکم دیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس دین کی تبلیغ تم پر کی ہے' اس کی تبلیغ اسی طرح تم دوسروں پر کرتے رہنا:

{وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ} (البقرۃ ۱۴۳ : ۲)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک بیچ کی اُمت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔''

{وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ} (الانعام ۱۹ : ۶)

''اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ میں بھی اس کے ذریعہ سے تم کو ڈراؤں اور وہ بھی جن کو یہ پہنچے۔''

دین کی حفاظت کے لیے دو خاص انتظام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثتِ عام کے مقصد کی تکمیل کے لیے ایک پوری اُمت کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے برپا کیا تا کہ ہر ملک' ہر قوم اور ہر بولی میں یہ دعوتِ حق قیامت تک بلند ہوتی رہے اور دنیا الگ الگ نبیوں کی بعثت اور الگ الگ زبانوں میں وحی کے اُترنے کی ضرورت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے نیاز ہو جائے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد اب کسی اور نبی کی بعثت ہونے والی

نہیں تھی، خلق کی رہنمائی اور اتمامِ حجت کی پوری ذمہ داری ہمیشہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت پر ڈال دی گئی تھی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دین کو صحیح حالت میں محفوظ رکھنے کے لیے دو خاص انتظام فرمائے۔ ایک یہ کہ قرآن مجید کو ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدیلی سے محفوظ فرما دیا تا کہ دنیا کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت معلوم کرنے کے لیے کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہ رہے۔

دوسرا یہ کہ اس اُمت کے اندر، جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے، ہمیشہ کے لیے ایک گروہ کو حق پر قائم کر دیا، تا کہ جو لوگ حق کے طالب ہوں ان کے لیے ان کا علم و عمل شمع راہ کا کام دیتا رہے۔

اسی طرح کی ایک جماعت — اگرچہ اس کی تعداد کتنی ہی تھوڑی ہو — اس امت میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ فتنوں کا کتنا ہی زور ہو، لیکن یہ صالح جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کو زندہ رکھے گی۔ جب ضلالت کا اثر اس اُمت کے رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کر جائے گا جس طرح دیوانے کتے کے کاٹے ہوئے آدمی کے رگ و ریشہ میں اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے، اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ اس اُمت کے ایک عضو کو اس زہر سے محفوظ رکھے گا۔ جب دنیا کا خمیر اتنا بگڑ جائے گا کہ معروف منکر بن جائے گا اور منکر معروف بن جائے گا اور اہلِ بدعت کا اتنا زور ہوگا کہ معروف کے ان داعیوں کی حیثیت دنیا میں اجنبیوں اور بیگانوں کی ہو جائے گی اُس وقت بھی یہ لوگ خلق کو معروف کی طرف پکارتے رہیں گے اور ہر قسم کی مخالفتوں کے باوجود لوگوں کی پیدا کی ہوئی خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کریں گے۔ ہر دور میں اس طرح کی جماعت کو باقی رکھنے سے اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ جس طرح علم وحی کو قرآن کی صورت میں قیامت تک محفوظ کر دیا گیا ہے، اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کے علم و عمل کو اس جماعت کے ذریعہ سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا جائے اور خلق کی ہدایت اور رسول کی حجت تمام کرنے کے لیے جو روشنی مطلوب ہے وہ کبھی گل نہ ہونے پائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں یہ لوگ پہاڑی کے چراغ ہوں گے جن سے راہ ڈھونڈنے والے رہنمائی حاصل کریں گے اور زمین کے نمک ہوں گے جن سے کوئی چیز نمکین کی جا سکے گی۔

تبلیغ بحیثیت ایک فریضۂ رسالت کے

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شہادت علی الناس یا تبلیغ دین محض بطور ایک نیکی اور

دینداری کے کام کے مطلوب نہیں ہے اور نہ محض مسلمانوں کی تعداد بڑھانے کے لیے مطلوب ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کی بعثتِ عام کا جو مقصد اس اُمت کے ہاتھوں پورا ہونا ہے یہ اس کا مطالبہ ہے جو اللہ کے ہر اُس بندے کو ادا کرنا ہے جو آنحضرت ﷺ کی اُمت میں داخل ہے۔ یہ ایک فریضۂ رسالت ہے جو آنحضرت ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس اُمت پر ڈالا ہے۔ اگر مسلمان اس فرض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی کریں گے تو وہ اس فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے جس کا بار اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ڈالا ہے اور اس کوتاہی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خیر اُمت کے اس منصب سے محروم کردے جس پر اس فرض کی ادائیگی کے لیے ان کو سرفراز فرمایا ہے اور ساری دنیا کی گمراہی کا وبال ان کے سر آئے' کیونکہ آج خلق پر اتمامِ حجت کا ذریعہ یہی ہیں۔ اگر یہ اتمامِ حجت کے فرض کو ادا نہ کریں تو دنیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی گمراہیوں کے لیے یہ عذر کرسکتی ہے کہ تو نے جن کو شہداء علی الناس بنایا تھا اور جن پر ہماری رہنمائی کی ذمہ داری ڈالی تھی انہوں نے ہمارے سامنے تیرے دین کی تبلیغ نہیں کی' ورنہ ہم ان ضلالتوں میں نہ پڑتے۔ اور مسلمان اس الزام کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔

تبلیغ کے شرائط

شہادت علی الناس یا تبلیغ عام کی یہ ذمہ داری صرف اتنے سے ادا نہیں ہوسکتی کہ دنیا میں مسلمان نامی ایک گروہ موجود ہے خواہ وہ شہادت علی الناس کا یہ فرض انجام دے یا نہ دے' اور نہ ان اُلٹی سیدھی تدبیروں ہی سے ادا ہوسکتی ہے جن پر کتاب کے شروع میں ہم تنقید کرکے بتا چکے ہیں کہ ان تدبیروں سے نہ صرف یہ کہ دعوتِ حق کے مقصد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا' بلکہ اُلٹا ان سے شدید نقصان پہنچا۔ یہ ایک نہایت اہم فریضہ رسالت کی ادائیگی ہے' اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کو ان شرائط کے ساتھ انجام دیا جائے جن شرائط کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو انجام دینے کا حکم دیا ہے اور جن شرائط کے ساتھ انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کو انجام دیا ہے۔ یہاں ہم ان بعض شرطوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو اس فرض کی ادائیگی کے لیے ناگزیر ہیں۔

پہلی شرط:

اس شہادت کی پہلی شرط یہ ہے کہ ہم جس دینِ حق کے شاہد ہیں' پہلے صدقِ دل کے ساتھ اس پر خود

ایمان لائیں۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام جس حق کی دعوت دیتے تھے پہلے اس پر خود ایمان لاتے تھے‘ اپنے آپ کو اس حق سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے:

{اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ} (البقرۃ: ۲۸۵:۲)

’’رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس پر اس کے ربّ کی جانب سے اُتاری گئی اور مؤمنین ایمان لائے۔‘‘

اس حق پر ایمان لانے کے بعد جو چیزیں اس کے خلاف ہوئیں‘ خواہ وہ آباء واَجداد کا دین ہو‘ خواہ قوم وقبیلہ کی عصبیت ہو‘ خواہ اپنا شخصی اور جماعتی مفاد ہو‘ سب سے دست بردار ہونے کے لیے انہوں نے سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کیا اور ان سارے خطرات میں‘ جو اس ایمان کے سبب سے پیش آئے ’’اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ‘‘ (الاعراف ۷:۱۴۳) (میں پہلا مؤمن ہوں) اور ’’اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ‘‘ (الانعام ۶:۱۶۳) (میں پہلا مسلم ہوں) کہتے ہوئے انہوں نے خود چھلانگ لگائی۔ یہ نہیں ہوا کہ خود تو اس سے کنارے پر کھڑے رہے‘ لیکن دوسروں کو للکارا کہ تمہاری نجات اگر ہے تو بس اس میں چھلانگ لگا دینے میں ہے۔

دوسری شرط:

دوسری شرط یہ ہے کہ آدمی جس حق پر ایمان لایا ہے اس کی زبان سے شہادت دے۔ جو شخص ایک حق پر ایمان لایا ہے اگر اس کو ظاہر کر سکنے کے باوجود ظاہر نہیں کرتا تو وہ ’گونگا شیطان‘ ہے اور قیامت کے دن اس پر حق چھپانے کا وہی جرم عائد ہوگا جو یہود پر عائد ہوا:

{وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ} (آل عمران ۱۸۷:۳)

’’اور یاد کرو جب کہ اللہ نے ان لوگوں سے عہد لیا جن کو کتاب دی گئی کہ تم لوگوں کے سامنے اس کتاب کو اچھی طرح ظاہر کرنا‘ اسے چھپانا مت۔‘‘

اس معاملہ میں مصلحت بینی جو کچھ بھی ہونی چاہیے وہ دراصل حق کی خاطر ہونی چاہیے کہ اس کا اظہار صحیح طریق پر‘ صحیح محل میں‘ صحیح مخاطب کے سامنے ہو‘ تاکہ دعوتِ حق کا تخم بارآور ہو۔ اگر آدمی حق کو بالکل نظر انداز کر کے مجرد اپنے ذاتی مفاد کے پیش نظر ایک امر حق کے اظہار سے جی چراتا ہے

یا اس سے غفلت برتتا ہے تو صرف بعض مستثنیٰ حالات ہی میں اس کی اجازت ہے۔ مثلاً یہ کہ آدمی کی جان کے لیے کوئی واقعی خطرہ ہو اور اس امر کو محسوس کرتا ہو کہ اس وقت حق کی خدمت کے نقطۂ نظر سے بھی زیادہ بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی جان بچا لے جائے۔ اس طرح کے کسی واقعی خطرہ کے بغیر اگر کوئی شخص اظہارِ حق سے جی چراتا ہے تو یا تو وہ منافق ہے یا کم از کم بے غیرت اور بے حمیت۔

تیسری شرط:

تیسری شرط یہ ہے کہ یہ شہادت صرف قول ہی سے نہ دی جائے، بلکہ عمل سے بھی دی جائے۔ اسلام میں وہ شہادت معتبر نہیں ہے جس کے ساتھ عمل کی تائید و توثیق موجود نہ ہو۔ بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بسا اوقات قسمیں کھا کھا کر کہتے کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس شہادت کو تسلیم نہیں کیا، فرمایا کہ یہ لوگ منافق اور جھوٹے ہیں اور اس کے ثبوت میں ان کے اعمال و اقوال کو ان کے سامنے رکھ دیا جن سے صاف اسلام اور مسلمانوں کی بدخواہی اور حق دشمنی نمایاں تھی۔ جو شخص ایک امر کو حق مانتا ہے اور لوگوں کو اس کی دعوت بھی دیتا ہے اس کے لیے لازمی ہے کہ اس کا عمل بھی اس کے موافق ہو، ورنہ وہ ان علمائے یہود کے نقشِ قدم کا پیرو ہے جن کو قرآنِ مجید نے ملامت کی ہے کہ تم دوسروں کو تو خدا کے ساتھ وفاداری کی دعوت دیتے ہو، لیکن خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ جس آدمی یا جس گروہ کا رویہ اس کی دعوت کے خلاف ہے وہ درحقیقت اپنی دعوت کی تردید کے دلائل خود پیش کرتا ہے۔ اور عمل کی دلیل چونکہ قول کی دلیل سے زیادہ قوی ہے اس وجہ سے خود اس کا رویہ اس کے دعویٰ کے خلاف ایسی حجت ہے کہ اس کے بعد اس کی تردید کے لیے کسی اور حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مسلمان اگر اللہ کے دین کے شاہد ہیں تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس پر ایمان بھی لائیں، اس کی دعوت بھی دیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں اس پر عمل بھی کریں، ورنہ اس شہادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مامور کیا ہے۔ زندگی کے عملی معاملات میں اس دین سے منحرف رہنا اور زبان سے اس کے حق ہونے کی شہادت دینا خلق کے اوپر اتمامِ حجت کے نقطۂ نظر سے ایک بالکل ہی لغو حرکت ہے۔ ایسے بے عمل واعظوں کے وعظوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ اگر اپنی مخلوق کو مجرم ٹھہرائے تو یہ بات اس کے عدل کے خلاف ہوگی۔ البتہ اس کا یہ نتیجہ ضرور نکلے گا کہ خود مسلمانوں پر اس دین کی حجت پوری طرح تمام ہو جائے گی اور

قیامت کے دن وہ اپنے ہی اقراروں پر پکڑے جائیں گے۔

عملی معاملات میں دین سے انحراف کی جو شکلیں قابل درگزر ہیں ان کو قرآنِ مجید نے خود بیان کر دیا ہے اور ساتھ ہی ان کا علاج بھی بتا دیا۔ اس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ جذبات یا شہوات کے غلبہ سے آدمی کا کوئی قدم حق کے خلاف اُٹھ جائے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی فوراً توبہ کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی حق سے انحراف پر مجبور کر دیا جائے۔ اس کی تلافی کی تدبیر یہ ہے کہ آدمی اس چیز سے نکلنے کے لیے جدوجہد کرے۔ اگر توبہ اور اصلاح کی جدوجہد کی بجائے آدمی اپنی غلطی ہی کو اوڑھنا بچھونا بنا لے اور جس حالت اضطرار میں گرفتار ہو گیا ہے اسی کو دین و مذہب قرار دے بیٹھے تو شہادت علی الناس کے جس منصب پر وہ مامور کیا گیا تھا' باطل پر اس کی قناعت نے اس سے اسے خود بخود ہٹا دیا۔

چوتھی شرط:

چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ شہادت ہر قسم کی قومی و گروہی عصبیت سے بالاتر ہو کر دی جائے' نہ کسی قوم کی دشمنی ہمیں اس حق سے منحرف کر سکے جس کے ہم داعی ہیں اور نہ کسی قوم کی حمایت وحمیت کا جذبہ اس سے ہمیں منحرف کر سکے۔ اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں ہمیں جس طرح بے لاگ ہونا چاہیے' اس کی تعلیم قرآنِ مجید نے ان الفاظ میں دی ہے:

{يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ} (المائدة ۵:۸)

''اے ایمان والو! عدل کے علم بردار بنو' اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے' اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ اُبھارے کہ تم عدل نہ کرو۔''

اور اپنے دوستوں اور عزیزوں کے مقابل میں جس طرح بے لوث ہونا چاہیے' اس کی تعلیم اس طرح دی ہے:

{يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ۚ} (النساء ۴:۱۳۵)

''اے ایمان والو! حق پر جمے رہو' اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے'

اگرچہ یہ شہادت خود تمہاری اپنی ذات، تمہارے والدین اور تمہارے قرابت مندوں کے خلاف ہی پڑے۔''

پانچویں شرط:

پانچویں شرط یہ ہے کہ اس پورے حق کی شہادت دی جائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُترا ہے، کسی ملامت یا مخالفت کے اندیشہ سے اس میں سے کوئی چیز کم نہ کی جائے۔ جن چیزوں کی شہادت انفرادی زندگی کے فرائض میں ہے ان کی شہادت افراد اپنی انفرادی زندگیوں میں دیں۔ نماز ہر شخص پڑھے، روزہ ہر شخص رکھے، زکوٰۃ ہر صاحبِ مال دے، حج ہر صاحبِ استطاعت کرے۔ نیکی، دیانت داری، راست بازی اور پاک بازی کی زندگی ہر مسلمان اختیار کرے۔ البتہ جن چیزوں کی شہادت کیلئے اجتماعی زندگی شرط ہے اس کیلئے افراد کا فرض ہے کہ جماعتی زندگی پیدا کرنے کیلئے جدوجہد کریں اور جب وہ وجود میں آجائے تو اس کی شہادت دیں۔ مثلاً معاشرت و معیشت کا اجتماعی نظام اور ملک کا سیاسی نظم ونسق افراد کے بس کی چیز نہیں ہے۔ اس کو اسلامی ڈھانچہ میں ڈھالنے کیلئے ایک جماعت کی قوت درکار ہے۔ اس وجہ سے اس سلسلہ میں سب سے مقدم ضرورت ایک صالح جماعت کے قیام کی ہے۔ اس جماعت کے قیام کے بعد اجتماعی زندگی کے ہر گوشہ میں بھی اس حق کی شہادت واجب ہوجائے گی جو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے اُترا ہے۔

ذیل میں ہم چند آیتیں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پورے دین کی، بغیر کسی کمی بیشی کے، دعوت کی تاکید کی گئی ہے:

{يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط} (المائدۃ ۵:۶۷)

''اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! تمہاری طرف جو چیز تمہارے رب کی جانب سے اُتاری گئی ہے اس کو اچھی طرح پہنچا دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ لوگوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔''

{الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ ط}

(الاحزاب ۳۹:۳۳)

''وہ اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔''

{وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ}

(الاحزاب ۴۸:۳۳)

''اور کافروں اور منافقوں کی بات کا دھیان نہ کرو، اور ان کی ایذا رسانیوں کو نظر انداز کرو، اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔''

{فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ} (الشوریٰ ۱۵:۴۲)

''پس تم اسی دین کی دعوت دو اور اس پر جمے رہو، جیسا کہ تم کو حکم ہوا ہے، اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیو۔ اور اعلان کر دو کہ اللہ نے جو کتاب اُتاری ہے میں اس پر ایمان لایا ہوں۔''

چھٹی شرط:

چھٹی شرط یہ ہے کہ جب ضرورت داعی ہو، اللہ کے دین کی شہادت جان دے کر دی جائے۔ یہ شہادت کا سب سے اونچا مرتبہ ہے۔ اسی وجہ سے ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دین کو برپا کرنے کے لیے جہاد کیا اور جس حق پر ایمان لائے تھے اس کے حق ہونے کی گواہی تلواروں کی چھاؤں میں بھی دی، ان کو شہید کہا گیا ہے۔ اور غور کیجیے تو ان لوگوں کے سوا نہ اس لقب کا کوئی اور مستحق ہوسکتا ہے اور نہ اس لقب کے سوا کوئی اور لقب ان کے لیے موزوں ہوسکتا ہے۔ اس اُمت پر شہادت علی الناس کی جو ذمہ داری اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی ہے اس کو پورا کرنے والے ہزاروں لاکھوں ہوسکتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی محنت کا اللہ کے ہاں اجر بھی پائے گا، لیکن جنہوں نے اس راہ میں اپنا پورا سرمایۂ زندگی لگا دیا اور اپنے سر دے کر اس حق کی گواہی دی، درحقیقت وہی اس بات کے اہل ہیں کہ ان کو شہید کا لقب ملے، کیونکہ ایک چیز کے حق ہونے کی اس سے بڑی شہادت کوئی اور نہیں ہوسکتی کہ آدمی اس کی حمایت ونصرت کی راہ میں اپنا سر کٹا دے۔ پس جو ہمت ور یہ بازی کھیل گیا اس نے وہ شہادت دے دی جس کے بعد شہادت کا کوئی اور درجہ باقی نہ رہا۔

مسلمانوں کا فرضِ منصبی

یہی فریضۂ رسالت ہے جس کی وجہ سے اس اُمت کو ''خیر اُمت'' کہا گیا ہے۔ اگر مسلمان اس فرضِ منصبی کو بھلا دیں تو یہ دنیا کی قوموں میں سے بس ایک قوم ہیں۔ نہ ان کے اندر کوئی خاص خوبی ہے، نہ کوئی خاص وجہ فضیلت، اور نہ پھر اللہ تعالیٰ کو اس بات کی پروا ہے کہ وہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں یا ذلت کے ساتھ۔ بلکہ اس فرض کو فراموش کر دینے کے بعد وہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک معتوب قوم بن جائیں گے جس طرح دنیا کی دوسری قومیں، جو اللہ سبحانہ ٗتعالیٰ کی طرف سے کسی منصب پر سرفراز کی گئی تھیں، اپنا فرض انجام نہ دینے کی وجہ سے معتوب ہو گئیں۔ چنانچہ جس آیت میں مسلمانوں کے '' خیر اُمت'' ہونے کا ذکر ہے اسی میں ان کی ذمہ داری بھی واضح کر دی گئی ہے:

{كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ} (آلِ عمران ۱۱۰:۳)

''تم بہترین اُمت ہو، لوگوں کی رہنمائی کے لیے مبعوث کیے گئے ہو، معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اسی جماعتی فرض کو ادا کرنے کی باضابطہ صورت خود اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی یہ ہے:

{وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ} (آلِ عمران:45)

''اور چاہیے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

اس حکم کی تعمیل میں مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ ٹھیک ٹھیک نبوت کے طریق پر خلافت کی بنیاد رکھی۔ یہ ادارہ نیکی کی دعوت، معروف کے حکم اور منکر سے روکنے کا ایک جماعتی ادارہ تھا جو مسلمانوں نے اس لیے قائم کیا کہ اس جماعتی فرض کو انجام دے سکیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس اُمت کو حق پر استوار رکھنے اور دنیا کو حق کی دعوت دینے کے لیے اس اُمت پر ڈالا گیا تھا۔ جب تک یہ ادارہ صحیح طریقہ پر قائم رہا اور اپنے فرائض

مسلمانوں کے اندر بھی اور مسلمانوں سے باہر بھی انجام دیتا رہا' ہر مسلمان اس فرض سے سبکدوش رہا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عائد کیا گیا تھا۔ اس وقت تک تبلیغ کا فرض ایک فرضِ کفایہ تھا اور جماعت کا ادارہ اس کو انجام دے کر جماعت کے تمام افراد کو اس فرض کی ذمہ داری سے عنداللہ بری کر دیتا تھا۔ لیکن جب یہ نظام درہم برہم ہو گیا تو جس طرح کسی ملک کا سیاسی نظام درہم برہم ہو جانے کے بعد اس کے باشندوں کے جان و مال کی ذمہ داری خود ان کے اوپر منتقل ہو جاتی ہے اور جب تک وہ از سر نو اپنے نظامِ سیاسی کو درست نہ کر لیں ان میں سے ہر شخص اپنی حفاظت کا بوجھ خود اُٹھاتا ہے' اسی طرح نظامِ خلافت کے درہم برہم ہو جانے کے بعد اب یہ فریضۂ شہادت علی الناس اس اُمت کے تمام افراد پر منتقل ہو گیا ہے اور جب تک وہ اس کو انجام دینے کے لیے اس صالح اسلامی نظام کو قائم نہ کریں جس کا اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' اس وقت تک اس فریضہ کے ادا نہ ہونے کا گناہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے اور قیامت کے دن اس کی پرسش ہر شخص سے ہوگی۔

خلاصۂ بحث

اس پوری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے:

(ا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تمام دنیا میں قیامت تک کے لیے تبلیغ دین کی جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی اس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رہنمائی فرما کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تکمیل کا کام اپنی اُمت کے سپرد فرمایا تا کہ یہ اُمت ہر ملک' ہر قوم اور ہر زبان میں قیامت تک اس دین کی تبلیغ کرتی رہے۔

(ب) اس تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرط مقرر ہے کہ یہ دل سے کی جائے' زبان سے کی جائے' عمل سے کی جائے۔ بلا تقسیم و تفریق' پورے دین کی کی جائے۔ بے خوفِ لومۃ لائم اور بے رو رعایت کی جائے۔ اور اگر ضرورت داعی ہو تو جان دے کر کی جائے۔

(ج) اس جماعتی فرض کی ادائیگی کا باضابطہ ادارہ خلافت تھا' اور جب تک یہ ادارہ موجود تھا ہر مسلمان اس فرض کی ذمہ داریوں سے سبکدوش تھا۔

(د) اس ادارہ کے منتشر ہو جانے کے بعد اس فرض کی ذمہ داری اُمت کے تمام افراد پر ان کے درجہ اور استعداد کے لحاظ سے تقسیم ہو گئی۔

(ہ) اب اس فرض کی مسئولیت اور ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لیے دو ہی راہیں مسلمانوں کے لیے باقی رہ گئی ہیں: یا تو اس ادارہ کو قائم کریں یا کم از کم اس کو قائم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائیں۔

(و) اگر مسلمان ان میں سے کوئی بات نہ کریں تو وہ اس فرضِ رسالت کو ادا نہ کرنے کے مجرم ہوں گے جو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے ان کے سپرد کیا گیا ہے اور صرف اپنی ہی غلط کاریوں کا وبال اپنے سر نہ لیں گے، بلکہ خلقِ خدا کی گمراہی کا وبال بھی ان کے سر آئے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کے لیے اصل محرک درحقیقت اس فرضِ عظیم کا احساس ہے جو مسلمانوں پر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے ڈالا گیا ہے اور اس میں جو چیز بطور مطمحِ نظر اس وقت پیشِ نظر رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ وہ نظامِ دعوتِ خیر پھر وجود میں آجائے جو خلق کو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے دین کی راہ بتا سکے اور دنیا پر اتمامِ حجت کر سکے۔ جب تک یہ چیز دنیا میں موجود نہیں ہے ہر مسلمان کا سب سے مقدم اور سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ مقصد یہی ہے کہ اس کو وجود میں لانے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہے کرے۔ اسی کے لیے ہر مسلمان کو سونا اور جاگنا چاہیے، اسی کے لیے کھانا اور پینا چاہیے، اور اسی کے لیے مرنا اور جینا چاہیے۔ اس کے بغیر مسلمانوں کی زندگی خدا کی منشاء کے بالکل خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اپنی اس کوتاہی کے لیے کوئی عذر نہ کر سکیں گے۔ یہ چیز ان کی ہستی کی غایت ہے۔ اگر اس کو انہوں نے کھو دیا تو جس طرح وہ تمام چیزیں جو اپنے مقصدِ وجود کو کھو کر کوڑے کرکٹ میں شامل ہو جاتی ہیں اسی طرح یہ بھی اس زمین کے خس و خاشاک سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اور ان کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ''اُمتِ وسط'' یا ''خیر اُمت'' کے لقب کا مستحق سمجھیں یا اللہ سبحانہٗ تعالیٰ سے کسی نصرت و حمایت کی اُمید رکھیں۔

آدابِ دعوت

محمد سہیل راؤ

دعوت وتبلیغ کی ضرورت و اہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ قرآن پاک کی متعدد آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متعدد احادیث میں اس کام کی اہمیت وفضیلت اور اس کا اجر وثواب بیان کیا گیا ہے اور اس سے پہلوتہی کرنے پر سخت وعید اور عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

{وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۤصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ} (الانفال:25)

''اور تم ایسے وبال سے بچو جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔''

نیز ایک حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ایک بستی پر عذاب نازل کرنے اور بستی کو اُلٹ دینے کا حکم دیا۔ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا: یا اللہ اس میں تو آپ کا ایک ایسا عبادت گزار بندہ ہے جس نے آج تک پلک جھپکنے کے برابر بھی کوئی نافرمانی اور گناہ کا کام نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس کے سمیت پوری بستی کو اُلٹ دو کہ اس کا چہرہ کبھی میری حمیت میں متغیر نہیں ہوا''۔ (بیہقی، مشکوٰۃ شریف) اس کے سامنے غلط کام ہوتے تھے، میری نافرمانیاں ہوتی تھیں، کبھی اس نے منع نہیں کیا، روک ٹوک نہیں کی، اس کی پیشانی پر بل نہیں آیا، لہٰذا اس کو بھی عذاب میں ہلاک کر دیا جائے۔ اس سے دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

غلطیاں اور کوتاہیاں تو ہم سے بہت ہوتی ہیں، بہتوں سے ہوتی ہیں، تمام کاموں میں ہوتی ہیں، لیکن دعوت الی اللہ واقعی بڑا نازک کام ہے۔ یہ ایک اہم اور عظیم الشان کام ہے۔ یہ نبیوں والا کام ہے۔ اس کام میں اگر دانستہ یا نادانستہ غلطی ہو جائے تو اس کا نقصان بھی ہوتا ہے، اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ بھی ہوتی ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مرتبہ سردارانِ قریش کو دعوت دے رہے تھے۔ اسی دوران ایک نابینا صحابی عبداللہ بن اُمّ

مکتوم رضی اللہ عنہ دین کی کوئی بات سیکھنے کے لیے آگئے اور آدابِ مجلس کی رعایت کیے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس وقت ان کی طرف توجہ نہ فرمائی اور سردارانِ قریش مکہ کی طرف متوجہ رہے۔ ان کی بار بار کی خلل اندازی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ انور پر کچھ ناگواری کے آثار نمایاں ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس طرزِ عمل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہہ کی گئی اور سورۂ عبس کی ابتدائی آیات اسی سلسلہ میں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد جب کبھی حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ آتے تھے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کا استقبال کرتے اور فرماتے کہ ''مرحبا وہ شخص جس کی وجہ سے میرا ربّ مجھ سے ناراض ہوا!'' یہ واقعہ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی تنبیہہ کی گئی۔ اگر ہم چھوٹوں سے دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں کوتاہی ہوگی تو ہم بھی عتاب اور تنبیہہ کے مستحق ہوں گے۔

نیز خلافِ اصول کام کرنے کے نقصانات بھی بہت ہوتے ہیں' اس لیے دعوت کے اصول و آداب سے واقف ہونا بھی ضروری ہے اور ہمیشہ ان اصول وآداب کا مذاکرہ واستحضار بھی ہونا چاہیے۔ ذیل میں دعوت وتبلیغ کے انہی اصول وآداب کو بیان کیا جاتا ہے:

(۱) آداب سیکھنے کے لیے جدوجہد:

قرآن حکیم میں جہاں جہاں دعوت سے متعلق آیات ہیں وہاں پر علماء کی تفاسیر کا مطالعہ کریں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کو مسلسل مطالعہ میں رکھیں۔ لٹریچر سے فائدہ اٹھائیں۔ بہت سا مواد ہمیں ایسا مل جائے گا جو اس موضوع پر ہماری راہنمائی کرے گا۔ مثال کے طور پر عقل کا فیصلہ' سلامتی کا راستہ' (از مولانا مودودیؒ) 'غلطیوں کی اصلاح کا نبوی طریقہ کار (علامہ محمد صالح المنجد کی عربی تالیف ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے)' دعوت دین اور اس کا طریق کار (از مولانا امین احسن اصلاحیؒ)' داعی کے اوصاف۔ ویڈیو بیان (از حافظ انجینئر نوید احمدؒ) دعوت الی اللہ' ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے (از ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

(۲) دل میں شکر کی کیفیت:

جب بھی اللہ تعالیٰ اس عمل کی توفیق عطا فرمائے تو دل سے شکر کے جذبات پھوٹنے چاہئیں۔ اندر سے انسان سرور محسوس کرے کہ یہ اللہ کا احسان ہے جس نے مجھے اس کام کے لیے چنا ہے اور مجھے

رسول اللہ ﷺ کے راستے پر لگایا ہے۔ رسول‘ زمین پر اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے ہوتے تھے اور جو کام اللہ تعالیٰ ان سے لیتے تھے تو مجھے بھی اس کی توفیق عنایت فرمائی ہے۔ لہٰذا ضرور شکر ادا کیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ مزید اس عمل کی توفیق عنایت فرمائے۔

(۳) دعوتِ رجوع الی القرآن:

داعی کسی مسلک کی تبلیغ نہ کرے‘ کسی فرقہ واریت کی دعوت کو لے کر نہ اٹھے‘ بلکہ ایمان یا عمل کی دعوت بذریعہ قرآن دے۔ حدیث نبویؐ کے الفاظ ہیں: ((وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)) (ترمذی) یعنی جو لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت دے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور سیدھے راستے کی ہدایت دے گا۔

(۴) قیام النہار سے پہلے قیام اللیل کا اہتمام:

سورۃ المدثر میں رسول اللہ ﷺ کو فرمایا گیا: {يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَاَنْذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (3)} ”اے کمبل میں لپٹ کر لیٹنے والے! (ﷺ) کھڑے ہو جایئے اور خبردار کیجیے‘ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کیجیے“۔ یہ دن میں قیام کا ذکر ہے جس کا حکم اللہ عزوجل نے اپنے حبیب ﷺ کو دیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ المزمل ہے جس میں قیام اللیل یعنی تہجد کا اہتمام کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ دن بھر محنت سے پہلے رات کو دعاؤں کا اہتمام بھی کیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی دعائیں کی ہیں کہ یا اللہ! عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام میں سے کسی ایک کو میرا معاون بنا دے---- دعاؤں سے اللہ تعالیٰ دلوں کو پھیر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ قُلُوْبَ بَنِىْ آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ)) (صحیح مسلم)

”تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی مانند ہیں‘ اللہ جدھر چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔“

حدیث کے آخر میں ایک دعا بھی موجود ہے: ((يَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ)) ”اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے“۔

ہمیں اس دعا کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔

(۵) جذبۂ نصح وخیرخواہی:

انسانی ہمدردی کے تحت یہ فریضہ سرانجام دیا جائے۔ ہم میں تڑپ ہونی چاہیے کہ اللہ کا دین ایک خیر ہے، مجھے یہ خیر دوسروں تک پہنچانا ہے اور لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانا ہے۔ بچانے کی فکر ایسی ہو جیسے کہ بجلی کے کرنٹ سے بھرے تار پانی میں پڑے ہوں اور ہمارے بچے اس پانی کی طرف بڑھ رہے ہوں تو ہمارا طرزِ عمل کیا ہو گا؟ کیا صرف زبان سے کہیں گے کہ بیٹا وہاں مت جاؤ! دوسروں سے کہیں گے کہ اس کو روکنا! یا خود اٹھ کر آگے بڑھ کر اس کو پکڑیں گے؟ دیکھیں یہاں اگر ہم نے سستی کی تو کیا ہو گا؟ ہمارا عزیز موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ لیکن اگر خدانخواستہ جہنم سے بچانے میں تساہل برتا تو پھر وہاں تو انسان نہ مرے گا نہ جیے گا۔ فریاد کرے گا کہ یا رب مجھے موت دے دے، لیکن اسے موت آئے گی نہیں۔

(۶) داعی کی ذمہ داری پہنچانا ہے، نہ کہ منوانا:

ہماری کامیابی اس بات میں ہے کہ ہم اپنے حصہ کا کام خلوص کے ساتھ سرانجام دیں۔ اگر انسان اپنی ذمہ داری منوانا سمجھ لے گا تو ضرور بالضرور اپنے اصولوں کو توڑے گا، ضرور سودے بازی پر آجائے گا۔ رسول اکرم ﷺ کو تو یہاں تک فرمایا گیا: {اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ} (القصص: ۵۶) ''(اے نبی ﷺ) آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے''۔ چنانچہ ہماری ذمہ داری خلوص کے ساتھ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دینا ہے۔

(۷) دعوت کے نتائج سے مایوس نہ ہوں:

دل میں یہ خیال نہ آنے پائے کہ ہم نے دعوت کا کام کیا اور کسی ایک نے بھی ہماری دعوت کو قبول نہ کیا، نتیجتاً ہماری محنت بھی ضائع ہو گئی، انفاق بھی ضائع گیا، ہمارا پروگرام بھی فلاپ ہو گیا۔ یہ سوچ ہمارے رفقاء میں مایوسی لائے گی۔ ہم نے دین کی دعوت کا کام کیا ہے یا یوٹیوب پر ویڈیو اپلوڈ کی ہے؟ وہاں یہ ہوتا ہے کہ ویڈیو اپلوڈ کرنے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ کتنے viewer ہو گئے، کتنے لوگوں نے like کیا۔ دیکھئے مکہ میں محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے نتیجے میں ابتدائی ۱۳ برسوں میں کم وبیش سوا سو افراد ایمان لائے اور مدینہ میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی

دعوت پر ایک سال میں ۲۷ افراد نے اسلام قبول کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو اگر اوسطاً ایک سو سال میں ایک شخص بھی قبول کرتا تو ۹۵۰ سال میں ۹۵ ہونے چاہئیں تھے جو کہ نہیں تھے۔ اسی طرح صلح حدیبیہ سے واپسی پر جو ظاہری صورتحال تھی اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غمزدہ تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح مبین کہا ہے۔ اس لیے ظاہری نتائج سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

(۸) منصوبہ بندی کرنا:

دعوت کے اثرات اگر نظر نہیں آ رہے تو اس سے یہ سبق لیتے رہنا چاہیے کہ شاید ہماری کوشش میں کمی رہی ہو اور ہم سے حق ادا نہ ہو سکا ہو جس کی وجہ سے اللہ عزوجل نے یہ نتیجہ ہمیں دکھلایا ہے۔ کوشش کی مقدار کو بھی بڑھا دیں اور دعا کی کیفیت میں بھی اضافہ کر لیں۔ منصوبہ بندی کرنے کے لیے شرکاء کے کوائف کو بھی مرتب کریں تاکہ بہتر نتائج حاصل کیے جاسکیں۔

(۹) اللہ کا دین تمام لوگوں کے لیے ہے:

داعی کے کسی رویہ سے یہ تاثر قائم نہ ہو کہ تنظیم فلاں طبقہ، فلاں مسلک یا فلاں علاقہ ہی کے لوگوں کے درمیان اپنا دعوتی کام کر رہی ہے۔ سورۃ الاعراف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا: {قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا} (آیت ۱۵۸) ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں''۔ سورۃ البقرۃ میں اُمتِ مسلمہ کے بارے میں کہا گیا: {لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ} (آیت ۱۴۳) ''تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو''۔ اس لیے ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہم ہر ایک تک پہنچیں، تاکہ ہر شخص دین کی حقیقت سے واقف ہو جائے۔

(۱۰) گفتگو میں نرمی اختیار کرنا:

حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ ''نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اسے سنوار دیتی ہے اور سختی جس چیز میں ہوتی ہے اسے بگاڑ دیتی ہے''۔ دیکھیں ہم جس کو دعوت دینے کے لیے جائیں گے وہ فرعون سے زیادہ گمراہ تو نہیں ہوگا اور ہم میں سے کوئی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے برابر داعی نہیں ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا: {فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی (44)} ''فرعون سے نرم بات کرنا، شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے''۔ تو جو حق اللہ نے اپنے دونوں پیغمبروں کو نہیں دیا کہ مخاطب سے سخت کلامی کریں، اس پر فقرے کسیں، اس کی

توہین کریں، وہ حق ہمیں کہاں سے حاصل ہو گیا؟ ابن تیمیہؒ کا بہت عمدہ قول ہے کہ ''معروف کا حکم معروف طریقہ پر دینا ہے اور منکر سے روکنا منکر طریقہ سے نہ ہو''یعنی ایک منکر سے روکتے ہوئے دوسرا منکر جنم نہ لینے پائے۔ صفائی صاف کپڑے سے کی جاتی ہے نہ کہ صفائی کے لیے گندا کپڑا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ نبیوں والا کام ہے' چنانچہ نبیوں والے اخلاق کے ساتھ ہونا چاہیے۔

(۱۱) مشکلات کے لیے پہلے سے ذہناً تیار رہنا:

اگر حق بات کریں گے تو لازماً صبر کے مراحل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لوگ ہار نہیں پہنائیں گے' مبارکباد نہیں دیں گے' کندھوں پر نہیں اٹھائیں گے' استقبال نہیں ہو گا۔ نبیوں اور ان کے ساتھیوں کو اس راستے میں دیے گئے القابات یاد رکھیں: مجنون' کذاب' السفہاء' ساحر۔ آپ بات کر رہے ہوں اور سامنے والا کانوں میں انگلیاں ڈال لے تو کیسا لگے گا؟ یہ سب پیارے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہوا ہے' تو اس سے دل چھوٹا نہیں کرنا۔ پیش نظر یہی رہے کہ میں ساری محنت اس لیے کر رہا ہوں کہ میری آخرت سنور جائے' چنانچہ میرا اصل مقصد بس یہی ہے۔ ؏

بہار ہو کہ خزاں' لا الٰہ الا اللہ!

اللہ سے ہمیشہ عافیت کا سوال کرنا ہے' مشکل مانگنی نہیں ہے' لیکن اگر آ جائے تو گھبرانا بھی نہیں ہے۔

(۱۲) ذاتی کاموں پر اس کو ترجیح دینا:

دین کے لیے یہ سوچ نہ ہو کہ میں اپنا بچا کھچا وقت اسے دوں گا۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنا کوالٹی ٹائم نہیں دیں گے تو اللہ بھی ہمیں اپنی سب سے قیمتی نعمت ہدایت سے نہیں نوازے گا' ہمیں دین نعمت محسوس نہیں ہو گا' وہ کیفیت ہماری نہیں ہو گی کہ ایمان والے وہ ہیں کہ جب ان پر آیاتِ الٰہیہ تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اللہ بادشاہ ہے نہ کہ فقیر۔ فقیر کو تو چاہے ہم دس روپے دے دیں' چاہے سو روپے دے دیں یا کہیں کہ معاف کرو۔ اللہ کے دین کو ہم نے اپنی زندگی کا قیمتی ترین وقت دینا ہے تاکہ اللہ بھی ہمیں اپنی سب سے قیمتی متاع نعمتِ ہدایت سے نوازے' اپنی رضا ہمیں عطا فرمائے۔

یہ بالکل غلط سوچ ہے کہ میں اللہ کے دین کو اپنا بچا کھچا وقت دے دوں یا ریٹائرمنٹ کے بعد دین کا کام کروں گا' دین پر عمل جب تک کروں گا جب تک کہ اس سے دنیا کا کچھ نقصان نہ ہو۔

یہ طرزِ عمل قرآن پاک میں منافقین کا نظر آتا ہے کہ دین پر عمل جب تک کریں جب تک اس سے دنیا کا کچھ نقصان نہ ہو۔ اگر ہم دین کو کسی ذاتی مصروفیت کی وجہ سے اپنا وقت نہیں دے پا رہے تو ہماری کیفیت کیا ہونی چاہیے؟ سورۃ التوبہ میں آتا ہے کہ جب کچھ صحابہ کرام j سواری نہ ہونے کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شرکت نہ کر سکے تو وہ وہاں سے روتے ہوئے لوٹے۔ ان کے دل کی اس کیفیت کی بنا پر ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ اب تم جو بھی عمل کرتے ہو وہ تمہارے ساتھ اجر میں شامل ہوتے ہیں' کیونکہ اللہ ان کے دلوں کا حال جانتا ہے۔ {اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ} ''اللہ تعالیٰ احسان کی روش اختیار کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔ ہم بھی اگر چکی کی مشقت یا ذاتی مصروفیت کی وجہ سے امیر کے تقاضے پر لبیک نہ کہہ سکیں تو اس کا غم ضرور رہنا چاہیے تا کہ اللہ ہمیں اجر میں شامل فرما لے۔

(۱۳) داعی کا اپنا عمل:

اگر اپنا عمل ٹھیک نہیں ہے تو داعی کی ساری دعوت بجائے فائدہ مند ہونے کے نقصان دہ ہو گی۔ سورۃ الصّف میں فرمایا: {یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ(2) کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ(3)} ''اے اہل ایمان! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ یہ بات اللہ کو بیزار کرنے والی ہے کہ تم وہ کہو جو کرو نہیں''۔ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے علماء کو ڈانٹا ہے: {اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ} (آیت ۴۴) ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو!''

(۱۴) دعوت اِلی اللہ کے لیے ترغیب وتشویق:

قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں اس عمل کے کرنے والوں کی فضیلت اور نہ کرنے والوں سے متعلق وعید پر مبنی آیات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ اللہ' اس کے فرشتے' زمین کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹیاں اور سمندر میں مچھلیاں خیر کی دعا کرتی ہیں ان کے لیے جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور اپنے رفقاء کو باور کراتے رہیں کہ یہ چیزیں ناپ تول میں آنے والی نہیں ہیں' بلکہ ہمیں اس کو محسوس کرنا ہے۔

(۱۵) خیال رہے کہ لوگ اُکتا نہ جائیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جانوں سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے' ان کے لیے

ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ آپ ﷺ کی باتیں سننے سے اُکتا جائیں گے۔اس کے باوجود ان کے لیے بھی آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ وعظ و نصیحت روزانہ نہیں بلکہ ہفتہ کے بعض دنوں میں فرماتے تھے، تاکہ لوگوں کی طبیعت پر بار نہ ہو۔صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہفتہ کے بعض ایام ہی میں وعظ فرماتے تھے تاکہ ہم اُکتا نہ جائیں اور دوسروں کو بھی آپ ﷺ کی طرف سے یہی ہدایت تھی۔ ایسا نہ ہو جائے کہ مدعی ہم سے ایک بات اتنی بار سن چکا ہو کہ ہمارے کہنے سے پہلے وہ بتادے کہ ہم کیا کہنے والے ہیں۔

(۱۶) زیادہ زور آخرت پر دیں:

دین پر عمل سے متعلق دنیاوی فوائد بھی بتا سکتے ہیں کہ استغفار کرو اور اللہ سے مخلص ہو جاؤ، اللہ مال میں بھی اضافہ کر دے گا، اللہ تمہیں بیٹے بھی دے گا، بارشیں بھی ہوں گی، پھل بھی بہت ہوں گے۔لیکن یہ ضرور بتائیں کہ دنیا میں کسی کو کچھ ملا ہے تو وہ اللہ کا انعام نہیں، امتحان ہے اور اگر کسی کو کچھ نہیں ملا ہے تو وہ اللہ کا عذاب نہیں بلکہ امتحان ہے۔اور اس صبر و شکر کے امتحان میں قارون اور فرعون بری طرح ناکام ہوئے ہیں، بلال و مصعب رضی اللہ عنہما کامیاب ہو گئے ہیں۔

(۱۷) احسان کے درجہ پر عمل:

دو نماز پڑھنے والوں کا اجر بھی ایک جیسا نہیں ہوتا، کیونکہ خشوع و خضوع اور حسب حال کے اعتبار سے فرق ہو جاتا ہے۔اسی طرح دعوت کا عمل کرنے والا کوشش کرے کہ زیادہ سے زیادہ دل جمعی اور احسن انداز میں اس عمل کو انجام دے۔

(۱۸) نیت کا جائزہ:

ہمیں جس سے اجر مطلوب ہے وہ ہستی علیم بذات الصدور ہے، لہٰذا بار بار نیت کا جائزہ لینا چاہیے کہ یہ ساری محنت کس کے لیے ہو رہی ہے؟ مزید یہ کہ نیت کا ایک مرتبہ درست کر لینا کافی نہیں ہے ،ممکن ہے کہ ایک کام شروع خلوصِ نیت سے کیا جائے اور بعد میں نیت میں بگاڑ آ جائے، تو عمل سے پہلے، دورانِ عمل اور اختتام پر بھی مراقبہ کرنا چاہیے کہ یہ سب محنت اللہ کی رضا کے لیے کی جا رہی ہے۔

(۱۹) دعوت میں ترتیب کا لحاظ رکھیں:

''الاقرب فالاقرب'' کی بنیاد پر اس عمل کو آگے بڑھائیں۔ یہ ایک فرد کی اپنی ذات اور

اس کے اہل وعیال سے ہو کر اس کے کنبے' قبیلے' پھر قوم اور بالآخر پوری نوعِ انسانی تک پہنچتا ہے۔ لیکن یہ بھی نہ سوچا جائے کہ پہلے حصہ کے منفی ردِّعمل سے غم زدہ ہو کر اسی پر اٹکا رہے' بلکہ اپنی سی کوشش کر لے اور پھر آگے بھی بڑھتا رہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد' نوح علیہ السلام کا بیٹا اور اہلیہ' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابولہب کی مثالوں کو سامنے رکھیں۔

(۲۰) ہر ایک کو حسبِ حال دعوت دینا:

نوجوان اور ضعیف' پڑھے لکھے اور ان پڑھ کو دعوت دینے میں فرق ملحوظ رکھے اور عمدہ طریقے سے دعوت کا فریضہ سرانجام دے۔ دعوت بالحکمہ' عمدہ نصیحت اور مجادلہ اَحسن سے کیا مراد ہے' اس کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

(۲۱) تکریم انسانیت:

لوگوں کے سامنے ہمیں تکریم انسانیت کا پہلو بھی اُبھارنا چاہیے' جس سے یہ معلوم ہو کہ کوئی انسان ذلیل اور پست نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اخلاقیات کے لحاظ سے پست ہے تو سمجھ میں بات آتی ہے' لیکن یہ تصور کرنا کہ ایک شخص فلاں گھرانے میں پیدا ہوا ہے' اس لیے پست ہے' یہ غلط بات ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عظمت دی ہے:

{وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا} (بنی اسرائیل)

''ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔''

یہ اللہ کا کرم ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں انسانوں ہی کے لیے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ کہا ہے۔ اس سے بڑا اعزاز و اکرام اور کیا ہو سکتا ہے کہ ساری دنیا میں اس کو محترم بنایا ہے اور دنیا کے اندر اسے ذمہ دارانہ حیثیت دی ہے۔

(۲۲) دعوت کے وقت کا مفید مراقبہ:

تبلیغ و دعوت کے وقت بالخصوص اپنے باطن کا رخ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رکھنا چاہیے' نہ کہ مخاطبین کی طرف۔ گویا اس وقت ہمارا دھیان یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کسی ذاتی کام سے نہیں بلکہ اللہ

کے حکم سے اور اس کے کام کے لیے نکلے ہیں اور مخاطبین کی توفیق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جب یہ دھیان ہوگا تو ان شاء اللہ مخاطبین کے غلط برتاؤ سے نہ تو غصہ آئے گا اور نہ ہمت ٹوٹے گی۔

(۲۳) مشورہ کی اہمیت اور اطاعت امیر:

مشورہ بڑی اہم چیز ہے۔ اس کا حکم قرآن پاک میں بھی دیا گیا ہے اور اہل ایمان کے اوصاف میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اہم معاملات شورائی طریقہ پر طے کرتے ہیں۔ مشورہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت بھی ہے۔ آپؐ خود بھی مشورہ فرماتے تھے اور اُمت کو بھی آپؐ نے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔ اپنے نظم بالا کو صحت مند ماحول فراہم کیا جائے اور جس عمل کو کرنے کا امیر فیصلہ فرمائیں، ممکنہ حد تک اس کو بحسن وخوبی انجام دینے کی کوشش کی جائے۔

(۲۴) متقدمین سے محبت اور ان کا شکر ادا کرنا:

دین کی نعمت جن وسائط سے ہم تک پہنچی ان کا شکر و اعتراف اور ان سے محبت نہ کرنا محرومی ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ((مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ)) (ترمذی) ''جس نے (اپنے محسن) لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا''۔ چنانچہ اپنے محسنین کا شکر یہ ہم پر لازم ہے جن کے ذریعے سے دین ہم تک پہنچا ہے۔

(۲۵) دعوت دین: اُمت کا فرض منصبی:

اہم تر بات یہ ہے کہ ایک داعی کے فکر اور سوچ میں یہ بات بیٹھی ہو کہ یہ کوئی نفلی کام نہیں ہے، کوئی اضافی نیکی نہیں ہے، بلکہ میری نجات ہی نہیں ہوگی جب تک میں یہ کام سرانجام نہ دوں۔ ازروئے قرآن:

{وَالْعَصْرِ (1) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ (2) اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3)}

''قسم ہے گزرتے ہوئے زمانے کی، کہ یقیناً سب انسان خسارہ میں جانے والے ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کے ساتھ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کرتے رہے۔''

ہم سے پہلی امتوں سے یہ سوال ہوگا کہ تم نے عمل کیا یا نہیں؟ لیکن ہمارا حساب مشکل ہے۔

ہم سے سوال یہ بھی ہوگا کہ تم نے عمل کے ساتھ ساتھ اس خیر کو دوسروں تک پہنچایا کہ نہیں پہنچایا؟ ہم خیر امت ہی اس بنا پر ہیں کہ ہم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا یہ فرضِ منصبی اُمت کے ذمہ لگا کر گئے ہیں: ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً)) (بخاری) کہ میری جانب سے پہنچاؤ‘ چاہے ایک ہی آیت کیوں نہ ہو‘ لٰہذا دنیا میں ہماری عزت و سربلندی ہی نہیں‘ بلکہ وجود و بقا کا انحصار بھی اسی بات پر ہے کہ ہم اپنے اس فرضِ منصبی کو کما حقہ ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جو باتیں عرض کی گئی ہیں‘ ان پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین!